Regd. L. No.7243

Phone. 8080

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

جنوری 1977

اس پرچہ میں

مودودی صاحب کا نظریۂ حدیث

شائع کردہ ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵/بی گلبرگ ۲ - لاہور

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام (لاہور)

ٹیلی فون نمبر
۸۰۸۰۰

خط و کتابت { ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام
۲۵/بی - گلبرگ ۲ لاہور }

قیمت فی پرچہ
۱½
ڈیڑھ روپیہ

بدلِ اشتراک
سالانہ
پاکستان — ۱۸ روپے
غیر ممالک - ۳ پونڈ

شمارہ ۱ | جنوری ۱۹۷۷ء | جلد ۳۰

فہرست

(۱) لمعات — ۲
(۲) مودودی صاحب کا نظریۂ حدیث — ۱۷
(۳) حقائق و عبر — (۱) غریب مسلمان کی میت۔ (۲) یہ فرقے نہیں مکاتبِ فکر ہیں۔ (۳) فرقہ کی پہچان۔ (۴) کیسے دلچسپ ہیں یہ لوگ؟ (۵)..... رااحافظہ نباشد۔ (۶) امریکہ کے ساتھ یارانہ بہت پرانا ہے۔ (۷) علمائے کرام کیوں الگ ہو گئے تھے؟ — ۲۳
(۴) رابطۂ باہمی — ۴۰
(۵) عشقِ رسولؐ اور پرویز — (محترم محمد ظہیر صاحب - کراچی) — ۴۱
(۶) بزمِ مذاکرہ — (طلوعِ اسلام کنونشن ۱۹۷۶ء) — (قسطِ اوّل) — ۴۹

ایڈیٹر محمد خلیل - ناشر سراج الحق - مقامِ اشاعت - ۲۵/بی گلبرگ ۲ لاہور - پرنٹر شیخ نیاز احمد - مطبوعہ علمی پرنٹنگ پریس ہسپتال روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

(مودودیت کا دامِ ہمرنگِ زمیں)

غالب نے کہا تھا کہ :-

ہے دلِ شوریدۂ غالب طلسمِ پیچ و تاب — رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے!

ہوسِ اقتدار کی شدت نے مودودی صاحب کی حالت کچھ ایسی ہی کر رکھی ہے، اور جوں جوں ان کی عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ یہ اضطراب، جنون کی کیفیت اختیار کرتا جاتا ہے۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں ان کی جماعت کو جو عبرت آموز شکست ہوئی تو غیرت کا تقاضا تھا کہ وہ سیاست سے دست بردار ہو جاتے لیکن اقتدار کی ہوس انہیں اس کی اجازت کیسے دے سکتی تھی؟ ان کے خیمہ بردار اس سے دل برداشتہ ہوئے تو ان کی ڈھارس بندھانے کے لئے مودودی صاحب نے فرمایا کہ ہمیں ایسی شکست ہو گئی تو پھر کیا ہوا؟ (معاذ اللہ) بعض انبیاءؑ ایسے تھے جو عمر بھر تبلیغ کرتے رہے لیکن انہیں ایک بھی متبع نہ ملا۔ ہمیں تو پھر بھی اتنی نشستیں حاصل ہو گئی ہیں، یاد رہے صحبت باقی۔ تم آئندہ الیکشن کی تیاری کرو —— اور اب جو آئندہ الیکشن کا غبارِ ناقہ دکھائی دیا تو اس مہم کو تیز تر کر دیا گیا۔ مودودی صاحب نے کچھ اصطلاحات وضع کر رکھی ہیں —— اقامتِ دین۔ اسلامی نظام۔ نظامِ محمدی۔ قانونِ شریعت وغیرہ۔ انہوں نے ان اصطلاحات کو قصداً مبہم رکھ چھوڑا ہے اور آج تک نہیں بتایا کہ ان کا بالآخر مفہوم کیا ہے۔ وہ حسبِ ضرورت' ان اصطلاحات کو اچھالتے اور اس طرح عوام کے نازک جذبات کو مشتعل کرتے رہتے ہیں۔ سالِ گذشتہ (۱۹۷۵ء) کے اواخر میں' انہوں نے "ہفتہ نفاذِ شریعت" منایا تھا۔ اب جو الیکشن کی بھنک کانوں میں پڑنے لگی تو انہوں نے پھر اس کا اعادہ کیا اور سابقہ ماہ (نومبر ۱۹۷۶ء) ایک اور ہفتۂ نفاذِ شریعت منا ڈالا۔ اس کا ٹیپ کا بند یہ ہوتا ہے کہ :-

حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ ملک میں قانونِ شریعت کا نفاذ کرے۔

اور انہوں نے (حسبِ عادت) آج تک یہ نہیں بتایا کہ وہ کونسا قانونِ شریعت ہے جس کے نفاذ کا مطالبہ کیا اور کرایا جاتا ہے۔ اس مرتبہ (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) کسی نے کہہ دیا کہ یہ صاحب "شریعت" کی آڑ میں اپنی خود ساختہ شریعت نافذ کرانا چاہتے ہیں۔ اس پر مودودی صاحب تلملا اٹھے اور شریعت کانفرنس

کے نام اپنے پیغام میں فرمایا کہ :-

خلقِ خدا کو دھوکا دینے کے لئے ہم پر الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم نفاذِ شریعت کا نام لے کر اپنی کسی خود ساختہ شریعت کو نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ خدا کی لعنت ہو اس شخص پر جو قرآن و سنت سے ثابت شدہ دین اور سلف سے خلف تک پوری امتِ مسلمہ کے تسلیم کردہ دین کے سوا کوئی چیز خود گھڑ کر اس کا نام شریعت رکھے...... اور اسے نافذ کرنے کی کوشش کرے۔ ایسے شخص پر میں بھی لعنت بھیجتا ہوں اور آپ بھی لعنت بھیجیں اور پھر الزام لگانے والوں کو چھوڑ دیں کہ اپنے نامۂ اعمال میں جو کچھ چاہیں جمع کرتے رہیں۔ (ایشیا۔ مورخہ ۱۲ر نومبر سنہ ۱۹۷۶ء۔ ٹائٹیل)

آیئے ہم دیکھیں کہ خلقِ خدا کو دھوکا کون دیتا ہے اور لعنت کا مستحق کون ہے ؟

مودودی صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ ان کا مقصد

(۱) قرآن و سنت سے ثابت شدہ دین۔ اور

(۲) سلف سے خلف تک پوری اُمتِ مسلمہ کے تسلیم کردہ دین

کا نفاذ ہے۔

پہلے ، "قرآن و سنت سے ثابت شدہ دین" کے دعوے کو لیجئے۔ طلوعِ اسلام کی اسی اشاعت میں، چند صفحات آگے جا کر، ایک مبسوط مقالہ آپ کے سامنے آئے گا جس کا عنوان ہے "مودودی صاحب کا نظریۂ حدیث"۔ اس میں آپ دیکھیں گے کہ مودودی صاحب نے "حدیث اور سنت" سے متعلق اُمتِ مسلمہ کے تمام تسلیم کردہ معیاروں کو بالائے طاق رکھ کر کہا ہے کہ جس بات کو "مزاج شناسِ رسول" (یعنی خود مودودی صاحب) سنت قرار دے دیں اسے سنت تسلیم کیا جائے۔ جسے وہ سنت قرار نہ دیں، اسے بدعت اور دین میں تحریف سمجھا جائے۔ اس کے بعد آپ سوچئے کہ کیا یہ کہنا غلط ہوگا کہ مودودی صاحب، اپنی خود ساختہ شریعت کو قرآن اور سنت سے ثابت شدہ دین کی حیثیت سے نافذ کرنا چاہتے ہیں۔

مودودی صاحب کا فیصلہ یہ ہے کہ :-

کتاب و سنت کی کوئی ایسی تعبیر ممکن نہیں ہے جو پبلک لاء کے معاملہ میں حنفیوں۔ شیعوں اور اہلِ حدیث کے درمیان متفق علیہ ہو۔ (ایشیا۔ ۲۳ر اگست سنہ ۱۹۷۶ء)

جب حقیقت یہ ہے کہ کتاب و سنت کی رو سے کوئی ایسا ضابطۂ قوانین (پبلک لاء) مرتب ہی نہیں کیا جا سکتا جو اُمت کے مختلف فرقوں کے درمیان متفق علیہ ہو، تو وہ کونسا دین ہے جو "قرآن و سنت سے ثابت شدہ اور سلف سے خلف تک پوری امتِ مسلمہ کا تسلیم کردہ" ہے؟ خود اپنے فیصلہ کے بعد، اس قسم کا دعویٰ، کھلا ہوا دھوکا نہیں تو اور کیا ہے ؟

اب آیئے "سلف سے خلف تک پوری اُمتِ مسلمہ کے تسلیم کردہ دین" کی طرف۔ اس باب میں پہلے مودودی صاحب کا اپنا عمل ملاحظہ فرمائیے۔ وہ اپنی کتاب "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ سوم،

شائع کردہ - مکتبہ جماعت اسلامی، دارالاسلام - پٹھانکوٹ) میں لکھتے ہیں:-

اپنے دوسرے رفقاء کے متعلق تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا کہ ان کا کیا حال ہے، مگر اپنی ذات کی حد تک میں کہہ سکتا ہوں کہ اسلام کو جس صورت میں میں نے اپنے گردوپیش کی مسلم سوسائٹی میں پایا، میرے لئے اس میں کوئی کشش نہ تھی۔ تنقید و تحقیق کی صلاحیت پیدا ہونے کے بعد پہلا کام جو میں نے کیا وہ یہی تھا کہ اس بے روح مذہبیت کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکا، جو مجھے میراث میں ملی تھی۔ اگر اسلام صرف اسی مذہب کا نام ہوتا جو اس وقت مسلمانوں میں پایا جاتا ہے تو شاید میں بھی آج ملحدین، لامذہبوں میں جا ملا ہوتا۔ (ص۱)

اس کے بعد لکھتے ہیں:-

پس درحقیقت میں ایک نومسلم ہوں۔ خوب جانچ کر اور پرکھ کر اس مسلک پر ایمان لایا ہوں جس کے متعلق میرے دل و دماغ نے گواہی دی ہے کہ انسان کے لئے فلاح و صلاح کا کوئی راستہ اس کے سوا نہیں ہے۔ میں صرف غیرمسلموں ہی کو نہیں بلکہ خود مسلمانوں کو بھی اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اور اس دعوت سے میرا مقصد اسی نام نہاد مسلم سوسائٹی کو باقی رکھنا اور بڑھانا نہیں جو خود ہی اسلام کی راہ سے بہت دور ہٹ گئی ہے۔ (ص۲)

مودودی صاحب کے اس بیان سے واضح ہے کہ:-

(۱) وہ اسلام جس پر امتِ مسلمہ سلف سے خلف تک چلی آ رہی تھی اور جو انہیں موروثی طور طور اسلاف سے ملا تھا؛ اس کا قلادہ انہوں نے اپنی گردن سے اتار پھینکا۔ اور

(۲) اس کے بجائے انہوں نے وہ اسلام اختیار کیا جس کے دینِ حقّا ہونے کی گواہی ان کے اپنے دل و دماغ نے دی۔ وہ اسی اسلام کی دعوت غیرمسلموں اور مسلموں کو دیتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ جس دین کو انہوں نے مسلم سوسائٹی میں پایا، وہ اگر (اُن کے حالیہ بیان کے مطابق) سلف سے خلف تک پوری امت کا مسلّمہ اور قرآن و سنت سے ثابت شدہ تھا؛ تو انہوں نے اس کا قلادہ اپنی گردن سے اتار کیوں پھینکا؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ جس دین کو انہوں نے اپنی پیدائش کے زمانے میں مسلم سوسائٹی میں پایا تھا، اور جس کا قلادہ انہوں نے اتار پھینکا تھا۔ وہی دین آج بھی مسلم سوسائٹی میں رائج ہے۔ لیکن اسے اب آپ "قرآن و سنت سے ثابت شدہ" دین قرار دیتے ہیں۔ فرمائیے کہ ان دونوں میں سے کونسا بیان صحیح ہے!

اور تیسرا سوال یہ ہے کہ آپ خود اس کے مدعی ہیں کہ آپ (غیرمسلموں ہی کو نہیں خود) مسلمانوں کو اس اسلام کی دعوت نہیں دیتے جو موروثی طور پر چلا آ رہا ہے، بلکہ اس اسلام کی دعوت دیتے ہیں، جس کی صداقت کی گواہی آپ کے دل و دماغ نے دی تھی۔ اس کے بعد اگر کوئی یہ کہے کہ آپ یہاں اس دین کو نافذ کرنا چاہتے ہیں جو آپ کے دل و دماغ کا مصدقہ ہے، تو اس میں جھوٹ اور دھوکے کی کونسی بات ہے؟ جھوٹ اور دھوکا تو یہ ہے کہ آپ دین تو وہ نافذ کرنا چاہتے ہیں جو آپ کے دل و دماغ

کا وضع کردہ ہے اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ آپ اس دین کو نافذ کرنا چاہتے ہیں جو سلف سے خلف تک امتِ مسلمہ میں تسلیم شدہ چلا آ رہا ہے!

فرمائیے: جھوٹ کون بول رہا ہے اور دھوکا کون دے رہا ہے؟

وہ کونسا دین ہے جو "سلف سے خلف تک پوری امتِ مسلمہ کا تسلیم کردہ ہے۔" اس کی نشاندہی تو مودودی صاحب ہی کر سکیں گے۔ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں کہ امتِ مسلمہ مشتمل ہے ان فرقوں پر جو سلف سے خلف تک متوارث چلے آ رہے ہیں۔ ان میں سے پاکستان میں، (شیعہ حضرات کو چھوڑ کر) اہلِ حدیث، حنفی اور کسی حد تک شافعی فرقے متداول ہیں۔ مودودی صاحب کا ارشاد ہے کہ:-

> میں نہ مسلکِ اہلِ حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت یا شافعیت ہی کا پابند ہوں۔ (رسائل و مسائل۔ حصہ اول۔ صفحہ ۲۳۵۔ ایڈیشن سنہ ۱۹۵۱ء)

فرمائیے! جب آپ ان فرقوں کے مسلک کو صحیح نہیں سمجھتے تو وہ کونسا دین ہے جسے آپ یہاں نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ لامحالہ وہ وہی دین ہوگا جسے آپ کے دل و دماغ نے صحیح قرار دیا ہے! تو پھر یہ کہنا فریب نہیں تو اور کیا ہے کہ میں اس دین کو نافذ کرانا چاہتا ہوں جو سلف سے خلف تک امتِ مسلمہ کا تسلیم کردہ دین ہے!

مودودی صاحب نے جب کہا تھا کہ کتاب و سنت کے مطابق کوئی ایسا ضابطۂ قوانین مرتب نہیں ہو سکتا جو تمام فرقوں کے نزدیک متفق علیہ ہو، تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا تھا کہ پاکستان میں فقہ حنفی رائج کر دینی چاہیئے۔ یعنی وہ فقہ حنفی جس کے مودودی صاحب خود بھی پابند نہیں۔ اس فقہ کے متعلق ان کا ارشاد ہے کہ:-

> امام ابو حنیفہؒ کی فقہ میں آپ بکثرت ایسے مسائل دیکھیں گے جو مرسل اور معضل اور منقطع احادیث پر مبنی ہیں۔ یا جن میں ایک قوی الاسناد حدیث کو چھوڑ کر ضعیف الاسناد کو قبول کر لیا گیا ہے۔ یا جن میں احادیث کچھ کہتی ہیں اور امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحابؒ کچھ اور کہتے ہیں۔ (رسائل و مسائل۔ حصہ اول۔ صفحہ ۷۵-۲۷۴)

پھر ارشاد ہے:-

> اس میں اسلامی شریعت کو ایک منجمد شاستر بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ اس میں صدیوں سے اجتہاد کا دروازہ بند ہے جس کی وجہ سے اسلام ایک زندہ تحریک کی بجائے محض عہدِ گذشتہ کی ایک تاریخی تحریک بن کر رہ گیا ہے۔ (ترجمان القرآن۔ محرم سنہ ۱۳۶۰ھ)

فقہ حنفی کے متبعین کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کے ائمہ فقہ نے جو احکام مدون کر دیئے ہیں، نہ ان پر تنقید کی جا سکتی ہے نہ رد و بدل۔ اس کے برعکس مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ:-

> مجتہد خواہ کتنا ہی باکمال ہو، زمان و مکان کے تعلقات سے بالکل آزاد نہیں ہو سکتا۔ اس کی

نظر تمام ازمنہ و احوال پر وسیع ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اس کے تمام اجتہادات کا تمام زمانوں میں اور تمام حالات کے مطابق ہونا غیر ممکن ہے۔ (تفہیمات۔ حصہ دوم۔ ایڈیشن ۱۹۵۱ء۔ صفحہ ۴۲۶)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

بزرگانِ سلف کے اجتہادات نہ تو اٹل قوانین قرار دیئے جا سکتے ہیں اور نہ سب کے سب دریا برد کر دینے کے لائق ہیں۔ صحیح اور معتدل مسلک یہی ہے کہ ان میں رد و بدل کیا جا سکتا ہے۔ (رسائل و مسائل۔ حصہ دوم۔ ایڈیشن ۱۹۶۲ء۔ صفحہ ۲۸۲)

اس کے بعد وہ اپنا مسلک ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:-

میرا طریقہ یہ ہے کہ میں ان میں سے کسی کی تحقیق کو حرفِ آخر نہیں سمجھتا۔ اور جب میرا ان کے بیانات سے اطمینان نہیں ہوتا تو خود غور و فکر کر کے رائے قائم کرتا ہوں۔
(رسائل و مسائل۔ حصہ دوم۔ ایڈیشن ۱۹۶۲ء۔ صفحہ ۱۶۰)

حنفیت کا سارا مدار اپنے ائمہ کی تقلید پر ہے۔ مودودی صاحب فرماتے ہیں:-

میرے نزدیک صاحبِ علم آدمی کے لئے تقلید ناجائز اور گناہ۔ بلکہ اس سے بھی شدید تر چیز ہے۔
(رسائل و مسائل۔ حصہ اوّل۔ صفحہ ۲۴۴)

ہم یہاں اتنے ہی اقتباسات پر اکتفا کرتے ہیں۔ مزید تفصیل اس مقالہ میں ملے گی جو "مودودی صاحب کے نظریۂ حدیث" کے عنوان سے چند صفحات بعد آپ کے سامنے آئے گا۔ مودودی صاحب کی ان تصریحات سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ اس فقہ حنفی کے متعلق جسے وہ پاکستان میں نافذ کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں، خود ان کا اپنا عقیدہ کیا ہے اور ائمہ فقہ کے متعلق، ان کے خیالات کیا؟ اس کے بعد، ان کے اس دعوے کی حقیقت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ وہ یہاں اس شراعت کو نافذ کرنا چاہتے ہیں جو سلف سے خلف تک اُمتِ مسلمہ کے نزدیک تسلیم شدہ ہے!۔

مودودی صاحب نے جب یہ مطالبہ کیا کہ پاکستان میں فقہ حنفی کو مملکت کے قانون کی حیثیت سے نافذ کر دیا جائے تو سب سے پہلے شیعہ حضرات کی طرف سے اس کی سخت مخالفت ہوئی۔ مرکزی ادارۂ تحفظ حقوقِ شیعہ کے صدر سید اظہر حسین زیدی صاحب نے اپنے بیان میں فرمایا کہ:-

مولانا مودودی نے اہلِ تشیع کو جو ایک مسلّمہ فرقہ ہیں، اسلام کے دائرے سے نکال کر، عیسائیوں، اچھوتوں اور دوسری غیر مسلم اقلیتوں کی صف میں کھڑا کر کے شیعہ مسلمانوں کی توہین کی ہے۔

اس ادارہ میں ایک قرارداد بھی منظور ہوئی جس میں کہا گیا کہ:-

شیعانِ پاکستان کسی ایسے پرسنل یا پبلک لا کو تسلیم نہیں کریں گے جس میں اہلِ تشیع کے [redacted]

حتیٰ کہ ان کے ادارۂ فلاحِ ملت۔ حیدرآباد کے کنوینر، سید محمد رضا رضوی نے یہاں تک کہہ دیا کہ :۔

اگر سوادِ اعظم کے راہنماؤں نے ہماری معروضات کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا اور اپنے عمل میں کوئی تبدیلی نہ کی تو ہم اس مسلک اور اپنے مستقبل کے بارے میں نئے انداز سے سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے، خواہ ایک ناگوار فرض کی حیثیت سے سہی۔

یہ ہے مودودی صاحب کے "سلف سے خلف تک پوری امتِ مسلمہ" کے تسلیم کردہ دین کی حقیقت۔

یہ ردعمل تو شیعہ حضرات کی طرف سے تھا۔ خود سنیوں کے اہم فرقہ، اہلِ حدیث کی طرف سے بھی اس مطالبہ کی کچھ کم مخالفت نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے، اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کے بعد لکھا تھا کہ :۔

فقہ حنفی کو قانونی حیثیت دینا تو بڑی بات ہے۔ اس مطالبہ کا خیال بھی نہیں آنا چاہیئے۔

(یہ تمام تفاصیل آپ کو اس مفصل مقالہ میں ملیں گی جو "اسلامی مملکت کا خواب جو کثرتِ تعبیر سے پریشان ہو گیا" کے عنوان سے، طلوعِ اسلام بابت اکتوبر ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا تھا۔)

پوری کی پوری امتِ مسلمہ کے تسلیم کردہ دین" کو ان حضرات نے دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ (۱) پرسنل یا شخصی قوانین۔ اور (۲) پبلک یا ملکی قوانین۔ شخصی قوانین کے متعلق ان کا مطالبہ ہے کہ یہ ہر فرقہ کے الگ الگ ہوں گے۔ ان احکام کے متعلق ان فرقوں کا باہمی اختلاف کس قدر شدید ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جمعیتِ اہلِ حدیث (پنجاب) کے صدر، مولانا عطاء اللہ حنیفؒ نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ :۔

جماعتِ اہلِ حدیث کو یہ قطعاً پسند نہیں کہ کسی ایک فرقے کا مسلک دوسرے فرقے پر ٹھونسا جائے...... ہر فرقہ کے شخصی معاملات کے فیصلے اس کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ اسی فرقے کے قاضی یہ فیصلے کریں۔

(طلوعِ اسلام۔ اکتوبر ۱۹۶۳ء)

ان احکام کے متعلق مختلف فرقے ہی ایک دوسرے سے اختلاف نہیں رکھتے۔ ایک ہی فرقے کے مختلف علماء بھی باہمدگر متفق نہیں۔ مثلاً (جیسا کہ پرویز صاحب کے خطاب ـــــ گہری سازش ـــــ مطبوعہ طلوعِ اسلام بابت دسمبر ۱۹۷۶ء میں بتایا گیا ہے) عائلی قوانین کی بعض شقوں کے متعلق مولانا داؤد غزنوی (مرحوم) ـ صدر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث نے فرمایا کہ وہ شریعت کے مطابق ہیں، تو اسی جمعیت کے صوبائی صدر ـــ مولانا عطاء اللہ حنیف نے کہا کہ :۔

مولانا غزنوی کے یہ ذاتی تاثرات ہیں جن کو حدیث یا آثارِ صحابہؓ کی رو سے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ مولانا کا یہ ذاتی اجتہاد ہے جس کی پابندی جماعتِ اہلِ حدیث کے لئے نہ واجب ہے نہ مستحب۔ (طلوعِ اسلام ۔ اکتوبر ۱۹۶۳ء)

اور جماعتِ اسلامی کے نقیب' ایشیا' نے اس پر' مولانا غزنوی کو منکرینِ سنت کا ہم مسلک قرار دیدیا تھا۔

یہ ہے شخصی قوانین کی کیفیت ـــــ علاوہ ازیں، ان کے نفاذ کے مطالبہ کے کیا معنی؟ یہ تو آج بھی پاکستان میں نافذ ہیں۔

اس کے بعد آئیے پبلک لاز کی طرف۔ دسمبر ۱۹۶۸ء میں (مرحوم) صدر ایوب نے کہا تھا کہ علماء کو چاہیئے کہ وہ ایک متفق علیہ ضابطۂ قوانین مرتب کریں۔ میں اسے ملک میں نافذ کر دوں گا ـــ اس پر مودودی صاحب نے فرمایا تھا کہ:۔

> صدر مملکت نے مسلمانوں کے مذہبی فرقوں کا ذکر اس طرح کیا ہے گویا یہی چیز اسلامی قانون کے نفاذ میں مانع ہے۔ (طلوعِ اسلام ـ فروری ۱۹۶۹ء)

اور (مولانا) احتشام الحق صاحب نے کہا کہ:۔

> کیا ملک میں شراب کو حرام قرار دینے کے بارے میں بھی کوئی فرقہ وارانہ اختلاف موجود ہے جو اب تک خلافِ قانون قرار نہیں دی گئی۔

اس پر ہم نے ایک تفصیلی مقالہ (طلوعِ اسلام بابت فروری ۱۹۶۹ء میں) شائع کیا تھا جس میں مستند حوالوں سے یہ ثابت کیا گیا تھا کہ اس باب میں بھی مختلف فرقوں میں اختلاف ہے۔ اس میں کہا یہ گیا تھا کہ جب شراب (خمر) کو از روئے قانون حرام قرار دیا جائے گا تو قانون کا تقاضا ہوگا کہ یہ بتایا جائے کہ شراب (خمر) کہتے کسے ہیں۔ اس ضمن میں بنیادی طور پر حضورؐ کی ایک حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ "کل مسکر حرام" ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ اس اجمال کی تفصیل میں متعدد احادیث پیش کی جاتی ہیں جن کا ملخص یہ ہے کہ "گندم۔ جَو۔ کھجور۔ انگور اور شہد سے جو نشہ آور شے بنائی جائے اسے شراب (خمر) کہا جائے گا اور اسے کم مقدار میں پیا جائے یا زیادہ میں، یکساں جرم ہے جس کی سزا اسّی کوڑے ہوگی"۔ جمہور اہلِ حدیث، شوافع اور شیعہ حضرات، سب کا یہی مسلک ہے۔ لیکن حنفی حضرات کا مسلک یہ ہے کہ:۔

> شہد۔ انجیر۔ گندم۔ باجرہ اور جَو کی نبیذ حلال ہے چاہے وہ پکائی نہ بھی گئی ہو۔ شرط یہ ہے کہ اس کا استعمال لہو و لعب کے لئے نہ ہو، کیونکہ حضورؐ کا فرمان ہے کہ شراب (خمر) صرف دو درختوں سے بنتی ہے۔ اور آپ نے انگور اور کھجور کی طرف اشارہ کیا اور حرمت کا حکم ان دونوں کے ساتھ مخصوص فرمایا .... جو چیز گندم۔ جَو۔ شہد اور باجرہ سے بنائی جائے گی وہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حلال ہے اور اس کے پینے پر کوئی حد نہیں چاہے اس کے پینے سے نشہ ہی کیوں نہ آ جائے ......انگوروں کا رس اس طرح بنایا جائے کہ اس میں سے دو تہائی خشک ہو جائے اور باقی ایک تہائی رہ جائے تو وہ حلال ہے چاہے وہ نشے والا ہی کیوں نہ ہو۔

مودودی صاحب سے پوچھئے کہ جب شراب کو حرام (خلافِ قانون) قرار دیا جائے گا تو اس میں شراب کی تعریف (DEFINITION) کیا دی جائے گی؟ وہ کونسی تعریف ہوگی جسے "سلف سے

خلف تک پوری کی پوری امتِ مسلمہ کی "تسلیم کردہ" قرار دیا جائے گا؟

دوسری مثال زنا کی لیجئے۔ اس ضمن میں پھر وہی سوال سامنے آئے گا کہ قانون کی رو سے زنا کی تعریف کیا ہو گی۔ شیعہ حضرات متعہ کو حلال قرار دیتے ہیں اور حنفیوں کے نزدیک یہ حرام ہے۔ ایک قدم آگے بڑھئیے۔ فحش کاری کی قبیح ترین شکل "لواطت" ہے۔ اہلِ حدیث، شوافع اور شیعہ حضرات کے نزدیک اس فعل کے مرتکب پر شرعی حد نافذ ہو گی۔ شیعہ حضرات کی فقہ کی رو سے، فاعل اور مفعول دونوں کو سنگسار کیا جائے گا۔ لیکن حنفیوں کا مسلک یہ ہے کہ

"جس نے عورت یا مرد سے لواطت کی تو اس پر کوئی حد نہیں۔"

اہلِ حدیث کا مسلک یہ ہے کہ جو شخص چوری، زنا، شراب کے جرم کا اقرار کر کے پھر جائے، تو اس پر پھر بھی شرعی حد واجب ہو گی۔ لیکن حنفیوں کا مسلک یہ ہے کہ جو شخص شراب اور نشہ کا اقرار کرنے کے بعد، اپنے اقرار سے پھر جائے تو اس پر حد واجب نہیں ہو گی۔ حتیٰ کہ اگر وہ شراب کی بو ختم ہو جانے کے بعد، خود بھی شراب پینے کا اقرار کر لے، تو بھی اس پر حد جاری نہیں ہو گی۔ فقہ حنفی کا تو یہ بھی فیصلہ ہے کہ:

کل شیٔ صنعه الامام الذی لیس فوقه امام۔ فلا حد علیه الا القصاص۔ (ہدایہ اولیں مجیدی ص ۴۹۳)

"سربراہِ مملکت، جس سے بالا کوئی صاحبِ اقتدار نہ ہو، جرم قتل کے سوا کوئی جرم کرے اس پر حد (سزا) نافذ نہیں ہو گی۔"

یہ ہیں پبلک لاز کے متعلق، مختلف فرقوں کے باہمی اختلافات کی دو چار مثالیں۔ اگر ان کی تفصیل میں جائیں تو اس قسم کی بکثرت مثالیں سامنے آ جائیں گی۔ ان حقائق کی روشنی میں، مودودی صاحب سے پوچھئے کہ وہ کونسا ضابطۂ قوانینِ شریعت ہے جو "سلف سے خلف تک پوری کی پوری امتِ مسلمہ کا تسلیم کردہ ہے" اور جسے آپ مملکتِ پاکستان میں نافذ کرنے کا مطالبہ پیش فرما رہے ہیں! اور سب سے بڑی بات وہ جسے ہم ابتداء میں لکھ چکے ہیں کہ خود مودودی صاحب کو اس کا اقرار ہے کہ کتاب و سنت کی رو سے پبلک لاز کا کوئی ایسا ضابطہ مرتب نہیں ہو سکتا جو تمام اُمت (فرقوں) کے نزدیک متفق علیہ ہو۔ اس کے بعد یہ مطالبہ کھلا ہوا فریب نہیں تو اور کیا ہے؟

یہ تو رہا قانونی اختلافات کا مسئلہ۔ مختلف فرقے ایک دوسرے کے خلاف جو آئے دن کفر کے فتوے شائع کرتے رہتے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اور یہ فتوے تکفیر منکرین کے اصولی اختلافات کی بنا پر صادر نہیں ہوتے۔ فروعی (فقہی) اختلافات کی بنا پر صادر ہوتے ہیں۔ انہیں بھی چھوڑیئے۔ خود مودودی صاحب کے مخالف قریب قریب ہر فرقے نے جو فتاویٰ شائع کئے ہیں ان پر ایک نگاہ ڈالئے۔ ہم ان میں سے چند ایک درج ذیل کرتے ہیں۔

(اگلے صفحات کے نمبر غلط چھپ گئے ہیں)

(۱) دارالعلوم، منظرالاسلام۔ بریلی، کا مودودی صاحب کی تحریک کے متعلق فتویٰ ہے کہ :-

یہ تحریک کوئی نئی تحریک نہیں۔ یہ وہی پرانی خارجیت ہے جو نئے نئے روپ اختیار کر چکی ہے۔

(۲) مفتی مظہراللہ صاحب (جامع مسجد فتحپوری۔ دہلی) کا ارشاد ہے :-

ان باتوں کا ظاہر تو یہی ہے کہ مسلم کو اہلِ سنت سے خارج کرنے والی ہیں اور یقیناً تفریق بین المسلمین کی موجب اور نئے فرقے پیدا کرنے کی بنا ہیں۔ لیکن بنظرِ تعمق دیکھئے تو کفر تک پہنچانے والی ہیں۔ ایسی صورت میں نیا فرقہ پیدا کرنے والی نہیں بلکہ فرقہ مرتدین میں داخل کرنے والی ہیں۔

(۳) علی گڑھ کے مولانا حفظ اللہ صاحب کا ارشاد ہے :-

جو حکم مسجد ضرار ہے اس جیسے حکم میں یہ جماعت داخل ہے۔

(مسجد ضرار کے متعلق قرآنِ کریم میں "کفر" کا لفظ آیا ہے لہٰذا ان کے متعلق بھی کفر کا حکم ہوا۔)

(۴) مولانا اعزاز علی دیوبندی (مرحوم) اپنے فتویٰ میں رقم طراز ہیں :-

میرے نزدیک یہ جماعت اپنے اسلاف (یعنی مرزائی) سے بھی مسلمانوں کے دین کے لئے زیادہ ضرر رساں ہے۔

(۵) سید مفتی مہدی حسن، صدر مفتی دارالعلوم۔ دیوبند۔ نے اپنے فتویٰ میں تحریر فرمایا :-

اگر کوئی شخص مسجد کا امام مودودی صاحب کا ہم خیال ہو تو ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

(۶) مولانا حسین احمد مدنی (مرحوم) مودودی صاحب کے نام اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں :-

آپ کی تحریک "اسلامی۔ خلف، سلف صالحین" مثل معتزلہ۔ خوارج۔ روافض۔ جہمیہ وغیرہ۔ فرقِ قدیمہ اور مثل، قادیانی۔ چکڑالوی۔ مشرقی۔ نیچری۔ مہدوی۔ بہائی وغیرہ فرق جدیدہ۔ ایک نیا اسلام بنانا چاہتی ہے اور وہ ان اصول و عقائد و اعمال پر مشتمل ہے جو کہ اہلِ سنت والجماعت و اسلاف کے خلاف ہیں۔

(۷) مولانا احمد علی لاہوری (مرحوم) نے مودودی صاحب کے متعلق ایک اشتہار میں لکھا تھا کہ :-

ان کا اجتہاد، قرآن کے مقابلہ میں شیطنی ہے ..... مرزا قادیانی نے نئی شریعت۔ نئی نبوت کا دروازہ کھولا۔ مودودی صاحب نے پرانی شریعت کے پرانے مسئلوں کو بدل دیا ..... اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو مودودی صاحب اور ان کی نام نہاد اسلامی جماعت کے شر اور دھوکے سے بچائے۔

یہ ہے مختلف علماء کے فتاویٰ[1] کی رو سے، خود مودودی صاحب کی پوزیشن۔ آپ ان فتاویٰ میں بالخصوص مولانا حسین احمد مدنی (مرحوم) کے ان الفاظ پر ایک بار پھر نگاہ ڈالئے کہ :-

مودودی صاحب ایک نیا اسلام بنانا چاہتے ہیں جو ان اصول و عقائد و اعمال پر مشتمل ہے جو اہلِ سنت والجماعت اور اسلاف کے خلاف ہیں۔

اور اس کے بعد مودودی صاحب کے اس دعویٰ کو سامنے لائیے کہ ہم اس اسلام کا مطالبہ کرتے ہیں جو

---

[1] حوالوں کے لئے دیکھئے "فتنۂ مودودیت" مرتبہ مولانا محمد نذرالدین صاحب نذر۔ (طلوعِ اسلام)

سلف سے خلف تک پوری کی پوری امتِ مسلمہ کا تسلیم کردہ ہے۔

اور پھر سوچئے کہ یہ مطالبہ اگر کھلا ہوا دھوکا نہیں تو اور کیا ہے؟ جیسا کہ ہم بار بار لکھتے چلے آرہے ہیں، اور جس کی تائید ان علماء کے فتاویٰ سے بھی ہو رہی ہے، مودودی صاحب یہاں اپنا خود ساختہ دین نافذ کرنا چاہتے ہیں اور ان کا فیصلہ یہ ہے کہ جو اس دین کی خلاف ورزی کرے گا اسے مرتد قرار دے کر قتل کر دیا جائے گا۔　(دیکھئے ـــــ کتابچہ، مرتد کی سزا)

قوانینِ شریعت کے متعلق اگر ان سے متعین طور پر پوچھا جائے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ چور کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ زانی کو سنگسار کیا جائے۔ شراب خوار کو کوڑے لگائے جائیں۔ چنانچہ جن "اسلامی" ممالک کی مثالیں دی جاتی ہیں کہ وہاں احکامِ شریعت نافذ ہیں، وہاں بھی انہی سزاؤں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ہفتۂ نفاذِ شریعت میں انہی حدود (سزاؤں) کو اصرار کر پیش کیا گیا۔ لیکن دیکھئے کہ خود مودودی صاحب ان سزاؤں سے متعلق احکام کے نفاذ کے سلسلہ میں کیا کہتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

> اسلامی قانونِ فوجداری کی دفعات اُس مملکت کے لئے ہیں جس میں پورا اسلامی نظامِ زندگی قائم ہو، نہ کہ اُس مملکت کے لئے جس میں سارا نظام کفر کے طریقوں پر چل رہا ہو اور صرف ایک چوری یا زنا کی سزا اسلام کے قانون سے لے لی جائے۔ چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا عین انصاف ہے اگر ملک کا معاشی نظام بھی اس کے ساتھ اسلامی احکام کے مطابق ہو، اور یہ قطعی ظلم ہے اگر ملک میں اسلام کے منشاء کے خلاف سود حلال اور زکوٰۃ متروک ہو اور حاجتمند انسانوں کی دستگیری کا کوئی انتظام نہ ہو۔
>
> (رسائل و مسائل۔ حصہ چہارم۔ اشاعت اوّل۔ صفحہ ۱۸-۱۹)

ہم مودودی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا اس وقت اُس مملکت (پاکستان) میں پورا اسلامی نظام قائم ہے جس سے آپ احکامِ شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کرتے اور اس کے لئے ملک کے طول و عرض میں ہفتے مناتے پھرتے ہیں؟ ظاہر ہے (اور آپ خود اُٹھتے بیٹھتے یہ پکارتے رہتے ہیں) کہ یہاں اسلامی نظام قائم نہیں۔ جس مملکت میں اسلامی نظام قائم نہ ہو، وہاں احکامِ شریعت نافذ کرنے والی حکومت کے متعلق مودودی صاحب کا فیصلہ ملاحظہ فرمایئے۔ آپ کا ارشاد ہے:-

> اس وقت اگر کوئی مسلمان حکومت اسلام کے تمام احکام و قوانین اور اس کی ساری اصلاحی ہدایات کو معطل رکھ کر اس کے قوانین میں سے صرف حدودِ شرعیہ کو الگ نکال لے اور عدالتوں میں ان کو نافذ کرنے کا حکم دے دے۔ تو جو قاضی یا جج کسی زانی یا سارق یا شاربِ خمر پر حد جاری کرنے کا حکم دے گا وہ تو ظالم نہیں ہوگا۔ البتہ وہ حکومت ضرور ظالم ہوگی، جس نے شریعتِ الٰہیہ کے ایک حصے کو معطل اور دوسرے کو نافذ کرنے کا فیصلہ کیا۔ (ایضاً صفحہ ۲۷-۲۸)

آپ سوچئے کہ اگر بحالاتِ موجودہ، حکومت، قوانینِ شریعت کے نفاذ کے مطالبہ کو تسلیم کر کے اس پر عملدرآمد

شروع کر دے تو، خود مودودی صاحب کے الفاظ ہیں، وہ (حکومت) ظالم قرار پائے گی! یہ ہے وہ مطالبہ جس کے لئے اس قدر شور مچایا جاتا ہے۔ اور اس کی تان یہاں آکر ٹوٹتی ہے کہ اقتدار ہمارے حوالے کر دو۔ آپ مودودی صاحب کی زندگی اور ان کی تحریک کی تاریخ پر غور کریں۔ یہ حقیقت ابھر کر سامنے آجائے گی کہ ان کا واحد مشن نفرت پھیلانا ہے۔ یہ صاحب تحریک پاکستان کے دوران، اس تحریک اور تحریک کے سربراہان، بلکہ ان تمام مسلمانوں کے خلاف، جو اس تحریک کا ساتھ دیتے تھے، نفرت پھیلاتے رہے۔ اور تشکیلِ پاکستان کے بعد، ہر حکومت کے خلاف جذبات منافرت ابھارتے چلے آرہے ہیں۔ ہم نے تشکیلِ پاکستان سے لے کر اس وقت تک کسی حکومت کو بھی اسلامی قرار نہیں دیا۔ اس لئے کہ قرآن کریم کی رو سے صرف وہ حکومت اسلامی کہلا سکتی ہے جس کا تمام کاروبار قرآنی حدود کے اندر رہتے ہوئے سرانجام پائے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ہر حکومت کے، ہر خلافِ قرآن اقدام پر تنقید کرتے چلے آرہے ہیں۔ لیکن اس سے ہمارا مقصد، قوم میں صحیح قرآنی فکر عام کرنا ہے، کہ قرآنی نظام کے قیام کی شرطِ اولین یہی ہے۔ صحیح فکر کے بغیر صحیح نظام قائم ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن مودودی صاحب کا مقصد صرف حصولِ اقتدار ہے، اور اسلامی نظام کی نعرہ آرائی اس مقصد کے حصول کا ذریعہ۔ جو کچھ سابقہ صفحات میں لکھا گیا ہے اس سے آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ نفاذِ شریعت کے ہفتے بھی (ELECTION STUNT) سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔

لیکن اس سے ایک اور خطرہ بھی لاحق ہو سکتا ہے جس کا ازالہ ضروری ہے۔ مودودی صاحب کی جو تحریریں پیش کی گئی ہیں ان سے ہماری نوجوان نسل کے دماغ میں یقیناً یہ خیال ابھرے گا (اور یہی مودودی صاحب کا مقصود بھی ہوتا ہے) کہ ان حالات کی روشنی میں، واضح ہو جاتا ہے کہ اب اسلامی نظام کا قیام ناممکن ہے، یہ "ایک چلا ہوا کارتوس" ہے، جسے ساتھ چپکائے رکھنا بے کار ہے۔ جب کتاب و سنت کی رو سے، کوئی ایسا ضابطۂ قوانین مرتب ہو ہی نہیں سکتا جو ساری قوم کے نزدیک متفق علیہ ہو، تو پھر "کتاب و سنت" کے الفاظ دہراتے رہنا، فریب سے زیادہ کچھ نہیں۔ مودودی صاحب کے پراپیگنڈہ سے یہ خیال پیدا ہو رہا ہے۔

لیکن حقیقت یہ نہیں۔ یہ خدشہ صرف اس "اسلام" کے تصور سے پیدا ہوتا ہے جسے مودودی صاحب پیش کر رہے ہیں۔ حقیقی اسلام کے بنیادی خط و خال یہ ہیں:۔

(۱) دین کے اصول سب کے سب کتاب اللہ میں موجود ہیں جو روایات سے بالاتر اور تمام مسلمانوں میں مشترک ہیں۔

(۲) حرام و حلال اور جائز و ناجائز کی حدود مقرر کرنا اور انسانی زندگی کے لئے قانون و شرع تجویز کرنا، یہ سب خداوندی کے مخصوص اختیارات ہیں جن میں سے کسی کو غیر اللہ کیلئے تسلیم کرنا شرک ہے۔

(۳) جن چیزوں پر کفر و اسلام کا مدار ہے اور جن امور پر انسان کی نجات موقوف ہے، انہیں بیان کرنے کا اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ لیا ہے۔ وہ سب قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔ اور قرآن میں کچھ بھی اشارۃً و کنایۃً نہیں بیان کیا گیا ہے، بلکہ پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ ان کو کھول دیا گیا

ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ ان علینا للھدیٰ۔

(۴) قرآن اپنے مدعا کو بغیر کسی ابہام کے صاف صاف بیان کرتا ہے اور اس نے کسی ایسی حقیقت کو جس کا جاننا آدمی کے لئے ضروری تھا، واضح کئے بغیر نہیں چھوڑا۔

(۵) قرآن کے لئے کسی تفسیر کی بھی حاجت نہیں۔ ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر کافی ہے جس نے قرآن کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا ہو اور جو بطرزِ جدید قرآن پڑھانے اور سمجھانے کی اہلیت رکھتا ہو۔

(۶) قرآن کے اندر اسرار و حکمت کا لاریب ایک خزانہ ہے لیکن اس خزانہ کی کلید خود قرآن ہی کے ارشادات و الفاظ ہیں۔ قرآن سے باہر ان کی کلید نہیں۔ قرآن کے علوم کا ایک حصہ اس کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ ایک حصہ اس کے ارشادات سے کھلتا ہے۔ ایک بہت بڑا حصہ اس کے سیاق و سباق سے بے نقاب ہوتا ہے۔ اور پھر سب سے بڑا خزانہ اس کے نظام کی معرفت سے سامنے آتا ہے۔ جو لوگ قرآن پر تدبر کرتے ہیں وہ بقدرِ استعداد اس سے فیض پاتے ہیں۔ وہ اپنی ہر بات پر قرآن ہی کے الفاظ و ارشادات و سیاق و نظام سے دلیل لاتے ہیں۔

(۷) قرآن و حدیث کے اندر بیشتر صرف بنیادی اور اصولی باتیں ہی بیان کی گئی ہیں۔ جزئیات و تفصیلات سے ان میں بہت کم تعرض کیا گیا ہے۔ اس خلا کو حالات و ضروریات کے تحت بھرنا۔ نیز تمام پیش آنے والے اجتماعی اور سیاسی معاملات میں اسلام کے منشاء اور مزاج کے مطابق قوانین بنانا امت کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

(۸) صحیح اور غلط کا اصلی معیار قرآن ہی ہونا چاہئیے، جو چیز قرآن کے الفاظ یا اسپرٹ کے خلاف ہوگی اسے ہم یقیناً رد کر دیں گے اور اس کا مخالفِ قرآن ہونا ہی اس امر کا بیّن ثبوت ہوگا کہ رسول اللہؐ سے وہ چیز ہرگز ثابت نہیں ہے۔

یہ ہے اصولاً وہ اسلام جس کی ہم شروع سے دعوت دیتے چلے آ رہے ہیں اور جس کی بنا پر، مودودی صاحب ہمیں منکرِ حدیث، منکرِ سنت، اور نہ جانے کیا کیا قرار دیتے رہتے ہیں۔

اور یہ معلوم کرکے آپ حیران ہوں گے کہ مندرجہ بالا آٹھوں شقوں کا ایک ایک لفظ مودودی صاحب کا ہے۔ ان میں ہم نے، نہ ایک حرف کا رد و بدل کیا ہے، نہ حک و اضافہ۔ ان کے حوالے درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ آپ خود چیک کر لیجئے۔

(۱) تفہیمات۔ حصہ اوّل۔ مطبوعات دارالاسلام (۵) صـ ۳۳۹

(۲) تفہیم القرآن۔ جلد اوّل۔ ایڈیشن ۱۹۵۱ء۔ صـ ۵۹۸

(۳) رسائل و مسائل۔ جلد اوّل۔ ایڈیشن ۱۹۵۱ء۔ صـ ۶۷

(۴) ترجمان القرآن ——— بابت اپریل، مئی ۱۹۵۲ء

(۵) تنقیحات۔ حصہ اوّل۔ پانچواں ایڈیشن۔ صـ ۱۹۳

(۶) ترجمان القرآن۔ بابت فروری ۱۹۵۳ء

(۷) ترجمان القرآن - بابت اپریل ۱۹۵۷ء
(۸) تفہیمات - حصہ اول - (صفحہ ۳۲۹)

(واضح رہے کہ شق ۔ے میں جو کہا گیا ہے کہ قرآن و حدیث کے اصولوں کی روشنی میں حالات کے تقاضوں کے مطابق جزئی قوانین مرتب کرنا امت کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے، تو ہمارے نزدیک یہ فریضہ وہ اسلامی مملکت سرانجام دے گی جسے امت، علیٰ منہاج نبوت قائم کرے گی - اس کو ہم مرکز ملت کی اصطلاح سے تعبیر کرتے ہیں -)

آپ یقیناً متعجب ہوں گے کہ مودودی صاحب نے جو کچھ مندرجہ بالا اقتباسات میں کہا ہے وہ ان کی ان تحریروں کے خلاف ہیں جو پہلے درج کی جا چکی ہیں' لیکن اس میں تعجب اور حیرت کی کوئی بات نہیں - ان کے (میرزا غلام احمد کے الفاظ میں) "مداری کے پٹارے" میں ہر دعوی کے موافق اور مخالف سامان موجود رہتا ہے - جس وقت جس چیز کی ضرورت ہو، وہ اسے باہر لے آتے ہیں - ان کا سارا "دین" ان کی مصلحتوں اور مفاد پرستیوں کے محور کے گرد گھومتا ہے - اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ یہ صاحب اسلام کے لئے کس قدر مہیب خطرہ ہیں اور قوم کو کس کس انداز سے دھوکے دے رہے ہیں - اللہ تعالیٰ اس بیچاری امت کو ان کے شر سے محفوظ رکھے - ان کا فتنہ، قادیانی فتنے سے کم خطرناک نہیں - بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی ہے - انہوں نے سیاست پر ہاتھ نہیں پھیرا تھا - اور یہ صاحب اقتدار کی کرسیوں کو جھپٹ کر، قوم پر اپنا خود ساختہ دین مسلط کرنا چاہتے ہیں اور جو اس سے اختلاف کرے اسے واجب القتل قرار دیتے ہیں - اس وقت صورت حالات یہ ہے کہ ملک کی پوری کی پوری آبادی "روٹی" کے چکر میں بُری طرح سرگرداں ہے ---- اوپر کا طبقہ ہوسِ زر کی دوڑ میں اور نیچے کا طبقہ، حصولِ معاش کی فکر میں ---- اس لئے انہیں ان مسائل سے چنداں دلچسپی نہیں رہی - باقی رہی مذہبی پیشوائیت سو وہ سیاست کے پھندے میں اس بُری طرح پھنس چکی ہے کہ مذہب ان کے نزدیک ثانوی حیثیت اختیار کر گیا ہے - مودودی صاحب اس صورت حالات کا پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی من مانی کئے جا رہے ہیں - لیکن ہم اپنی قوم (مولوی اور غیر مولوی سب) کو متنبہ کر دینا چاہتے ہیں کہ اگر انہوں نے مودودی صاحب کی تحریک کی طرف سے اسی طرح بے اعتنائی برتی تو ان کے ہاتھوں یہاں وہ تباہی آئے گی جو بغداد کی تباہی کو بھی مات کر جائے گی - مودودی صاحب کے عزائم بے حد مہیب اور خطرناک ہیں -

---

اطلاعات

قائداعظم کے صد سالہ جشنِ پیدائش کے سلسلہ میں ۱۸ دسمبر کو، بزم طلوع اسلام، لاہور کے زیر اہتمام "وائی - ایم سی - اے - ہال (لاہور) میں اجتماع عام منعقد ہو رہا ہے - اور ۲۵ دسمبر کو، بزم طلوع اسلام، گجرات، کے زیر اہتمام، (سابق) زمیندارہ بینک ہال (گجرات) میں - دونوں اجتماعات سے پرویز صاحب خطاب کریں گے - افسوس ہے کہ ان کی تفصیلات اس پرچہ میں نہیں دی جا سکتیں -

(ناظم ادارہ طلوع اسلام لاہور)

باسمہٖ تعالیٰ

مودودی صاحب کا نظریۂ حدیث

(علماءِ امّت کی خدمت میں ایک گذارش)

ادارۂ طلوعِ اسلام - گلبرگ ۲ - لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مودودی صاحب کا نظریۂ حدیث

آپ نے وہ قصہ تو سنا ہوگا کہ ایک چور، چوری کر کے بھاگا۔ لوگ "چور، چور" پکارتے اُس کے پیچھے دوڑے۔ چور نے خود بھی "چور، چور" پکارنا شروع کر دیا تاکہ لوگ سمجھیں کہ چور یہ نہیں، کوئی اور ہے۔

مودودی صاحب اس مذموم عزم کو لے کر، پاکستان آئے کہ یہاں کی نئی نسل کو حقیقی اسلام سے برگشتہ، بلکہ متنفر کر دیا جائے اور اس کی جگہ اپنے خود ساختہ اسلام کا سکّہ رواں کیا جائے۔ اُن کے اس خود ساختہ اسلام کا بنیادی نقطہ یہ تھا کہ دین میں آخری سند، خود مودودی صاحب کی ذات ہے۔ ان کے فیصلے کو خدا اور رسولؐ کا حکم سمجھا جائے اور جو اس سے سرتابی برتے، اُسے قتل کر دیا جائے[1]۔ انہیں اپنی اس سازش کے خلاف صرف طلوعِ اسلام کی طرف سے خطرہ تھا، کیونکہ، ایک تو یہ قریب تیس چالیس سال سے ان کا سخت محاسبہ کرتا چلا آرہا تھا اور دوسرے یہ کہ اسے کسی قیمت پہ خریدا نہیں جا سکتا تھا۔ اس خطرہ سے مدافعت کے لئے انہوں نے "چور، چور" کی ٹیکنیک اختیار کی اور یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ طلوعِ اسلام منکرِ حدیث ہے، منکرِ سنتِ رسول اللہؐ ہے، منکرِ شانِ رسالتؐ ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اِس مقالہ میں ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ حدیث اور سنت کے متعلق خود مودودی صاحب کی پوزیشن کیا ہے۔ اِس کا مطالعہ گہری توجہ کا متقاضی ہے۔ کیونکہ اس میں آپ کو ایسی ایسی باتیں نظر آئیں گی جو شاید آپ نے اِس سے پہلے سنی نہ ہوں۔

قبل اِس کے کہ ہم حدیث اور سنّت کے متعلق مودودی صاحب کے موقف کو سامنے لائیں، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نہایت مختصر اور عام فہم الفاظ میں نظریۂ حدیث کی وضاحت کر دی جائے۔ (ضمناً مودودی صاحب نے اپنے پروپیگنڈے کے لئے "منکرینِ حدیث" کی اصطلاح وضع کر رکھی ہے جس کے معنی ہیں حدیث کا انکار کرنے والے۔ حدیث کے ماننے والوں کیلئے انہوں نے کوئی اصطلاح وضع نہیں کی۔ ہم، محض بغرضِ تفہیم، انہیں "معتقدینِ حدیث" کہہ کر پکاریں گے)

حدیث سے کیا مراد ہے

اصطلاحی طور پر حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کردہ اقوال اور افعال کو حدیث کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ نیز اگر کوئی واقعہ حضورؐ کے سامنے آیا ہو اور اس پر آپ نے سکوت فرمایا ہو تو اُسے بھی حدیث کے زمرے میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ رسول اللہؐ نے اپنی احادیث کا کوئی مجموعہ نہ خود مرتب کرا کر دیا اور نہ ہی عہدِ خلافتِ راشدہ میں کوئی ایسا مجموعہ مرتب ہوا۔ تیسری صدی ہجری میں بعض حضرات نے انفرادی طور پر اُن احادیث کو جمع کرنا شروع کیا جو اس زمانے میں مختلف لوگ بیان کرتے تھے۔ ان بیان کرنے والوں کو "راوی" کہا جاتا ہے اور ان کی بیان کردہ باتوں کو روایات۔ اِن حضراتِ جامعینِ احادیث (یا روایات) نے یہ التزام بھی کیا کہ اپنے راوی سے لے کر عہدِ صحابہؓ اور عہدِ رسالتؐ تک کے راویوں کے نام بھی ساتھ درج کر دیئے۔ انہوں نے لاکھوں روایات جمع کیں اور ان میں سے اپنی صوابدید کے

---

[1] دیکھئے۔ مودودی صاحب کی کتاب۔ مرتد کی سزا۔

مطابق کچھ احادیث کو رکھ لیا اور بقایا کو مسترد کر دیا۔ مثلاً امام بخاریؒ نے چھ لاکھ احادیث میں سے (مکررات نکال کر) صرف (۲۷۶۲) روایات کو اپنے مجموعہ میں درج کیا۔ اس طرح جو مجموعے مرتب ہوئے تھے سُنّی حضرات ان میں سے چھ کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ انہیں صحاحِ ستّہ کہا جاتا ہے۔ یعنی بخاریؒ، مسلمؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابنِ ماجہ اور نسائیؒ۔ (شیعہ حضرات کے اپنے مجموعے ہیں) ان میں سے بخاریؒ اور مسلمؒ کو صحیحین کہا جاتا ہے۔ ان مجموعوں کے مرتب ہونے کے بعد ائمۂ جرح و تعدیل نے ان کے راویوں کو پرکھا اور یہ متعین کیا کہ ان میں سے کون سے ثقہ ہیں اور کون سے ضعیف۔ راویوں کی اس تفریق و تقسیم کے مطابق روایات کے بھی مختلف مدارج مقرر کئے گئے۔ یہ جو مختلف فرقوں میں اختلاف پایا جاتا ہے وہ روایات کے انہی مختلف مدارج کی رو سے ہے۔ "معتقدین حدیث" کے نزدیک یہ مجموعے مکمل ہیں اور ان پر جرح و تعدیل کا عمل بھی پایۂ تکمیل تک پہنچ چکا ہے۔ ان مجموعوں میں درج شدہ روایات کو احادیث رسول اللہؐ تسلیم کرنا "احادیث کو ماننا" کہلاتا ہے۔ ان میں اہلِ حدیث اور اہلِ فقہ (دیوبندی، بریلوی حضرات) سب شامل ہیں۔

سنت سے کیا مراد ہے

جہاں تک سنتِ رسول اللہؐ کا تعلق ہے، ایک گروہ کے نزدیک ہر حدیث، سنت ہے۔ لیکن دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ ان کے ائمہ نے احادیث کے مجموعوں میں سے سنت کو متعین کیا ہے۔ پہلا گروہ ہو یا دوسرا، ان کے نزدیک سنتِ رسول اللہؐ بھی متعین ہو چکی ہے۔ اور اس میں ردّوبدل نہیں کیا جا سکتا۔

کچھ سال اُدھر کا ذکر ہے کہ اُس کے زمانے کے مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کے صدر مولانا محمد اسمٰعیل (مرحوم) نے ایک رسالہ شائع کیا تھا جس کا عنوان تھا ــــ جماعت اسلامی کا نظریۂ حدیث ــــ اس میں انہوں نے مودودی صاحب کے نظریۂ حدیث پر سخت تنقید کی تھی۔ حدیث کی حیثیت کے متعلق انہوں نے اس رسالہ میں لکھا تھا۔

> تحقیق و تثبیت کے بعد حدیث کا ٹھیک وہی مقام ہے جو قرآن عزیز کا ہے اور فی الحقیقت اس کے انکار کا ایمان و دیانت پر بالکل وہی اثر ہے جو قرآنِ عزیز کے انکار کا...... جو احادیث قواعدِ صحیحہ اور ائمہ سنت کی تصریحات کے مطابق صحیح ہوں ان کا انکار کفر ہو گا اور ملّت سے خروج کے مرادف۔
>
> (رسالہ مذکور۔ صفحہ ۴۸)

وہ آگے چل کر لکھتے ہیں۔

> بخاری اور مسلم کی احادیث کی صحت پر اُمت متفق ہے...... ان احادیث کی صحت قطعی ہے۔ (ایضاً۔ صفحہ ۵۵)

یعنی مولانا مرحوم کے ارشاد کے مطابق بخاری اور مسلم کی کسی ایک حدیث کے انکار سے کفر لازم آ جاتا ہے اور اس کا انکار کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ آگے چل کر وہ لکھتے ہیں۔

> جبریل قرآن اور سنت دونوں کو لے کر نازل ہوتے تھے۔ آنحضرتؐ کو سنت بھی قرآن کی طرح سکھاتے تھے۔ اس لحاظ سے ہم وحی میں تفریق کے قائل نہیں۔
>
> (ایضاً۔ صفحہ ۶۰)

مودودی صاحب کا نظریۂ حدیث

حدیث کے متعلق "معتقدین حدیث" کی ان تصریحات کے بعد یہ دیکھئے کہ مودودی صاحب کا نظریۂ حدیث کیا ہے۔

مولانا اسماعیل (مرحوم) کے بیان کے مطابق قرآن اور حدیث دونوں منزل من اللہ ہیں اور وحی خداوندی۔ اس

کے برعکس مودودی صاحب کا موقف یہ ہے کہ:۔

قرآن کے کلام اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے اپنے کلام میں زبان اور اسلوب کا اتنا نمایاں فرق ہے کہ کسی ایک انسان کے دو اس قدر مختلف اسٹائل کبھی نہیں ہو سکتے۔ یہ فرق صرف اُسی زمانے میں واضح نہیں تھا جبکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنے ملک کے لوگوں میں رہتے سہتے تھے بلکہ آج بھی حدیث کی کتابوں میں آپ کے سینکڑوں اقوال اور خطبے موجود ہیں۔ ان کی زبان اور اسلوب، قرآن کی زبان اور اسلوب سے اِس قدر مختلف ہیں کہ زبان و ادب کا کوئی رمز آشنا نقاد یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ یہ دونوں ایک ہی شخص کے کلام ہو سکتے ہیں۔

(ترجمان القرآن بابت ستمبر ۱۹۵۲ء)

اِس سے واضح ہے کہ مودودی صاحب احادیثِ رسول اللہؐ کو قرآن کی طرح وحیٔ منزل من اللہ نہیں مانتے۔ وہ انہیں رسول اللہؐ کا اپنا کلام قرار دیتے ہیں۔ کلام بھی کس قسم کا، اِس کے متعلق وہ لکھتے ہیں:۔

(دجّال کے متعلق) جو مختلف باتیں حضورؐ سے احادیث میں منقول ہیں، وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں جن کے بارے میں آپ خود شک میں تھے .... یہ تردّد اوّل تو خود ظاہر کرتا ہے کہ یہ باتیں آپ نے علم وحی کی بنا پر نہیں فرمائی تھیں بلکہ اپنے گمان کی بنا پر فرمائی تھیں اور آپ کا گمان وہ چیز نہیں ہے جس کے صحیح نہ ثابت ہونے سے آپ کی نبوت پر کوئی حرف آتا ہو یا جس پر ایمان لانے کے لئے ہم مکلف کئے گئے ہوں۔ پھر جب کہ بعد کے واقعات سے ان باتوں کی تردید بھی ہو چکی ہے جو اِس سلسلے میں آپ نے گمان کی بناء پر فرمائی تھیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ ان کو عقائد میں داخل رکھنے پر اصرار کیا جائے۔

(رسائل و مسائل۔ حصہ اوّل ستمبر ۱۹۵۱ء ایڈیشن۔ صفحہ ۵۵-۵۶)

یعنی مودودی صاحب کے نزدیک احادیث، رسول اللہؐ کے قیاسات تھے" بعد کے واقعات نے جن کی تردید کر دی تھی۔

اب آیئے احادیث کے مجموعوں کی طرف۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ روایات کی چھان پھٹک کے بعد اُن احادیث کو صحیح تسلیم کیا جاتا ہے جو راویوں کی سند کے لحاظ سے صحیح قرار دی گئی ہیں۔ لیکن مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ کوئی روایت، جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو اس کی نسبت کا صحیح و معتبر ہونا بجائے خود زیرِ بحث ہوتا ہے۔ آپ (یعنی معتقدینِ حدیث) کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیثِ رسول مان لینا ضروری ہے جسے محدثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں ہے۔ ہم سند کی صحت کو حدیث کے صحیح ہونے کی لازمی دلیل نہیں سمجھتے ....

(رسائل و مسائل حصہ اوّل۔ ستمبر ۱۹۵۱ء ایڈیشن صفحہ ۲۹۰)

وہ دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

> قولِ رسولؐ اور وہ روایات جو حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں، لازماً ایک ہی چیز نہیں ہیں۔ اور نہ اِن روایات کو اِستناد کے لحاظ سے آیاتِ قرآنی کا ہم پلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ آیاتِ قرآنی کے منزل من اللہ ہونے میں تو کسی شک کی گنجائش ہی نہیں۔ بخلاف اِس کے روایات میں اس شک کی گنجائش موجود ہے کہ جس قول یا فعل کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ واقعی حضورؐ کا ہے یا نہیں۔ (ایضاً صفحہ ۲۷)

اس کی وضاحت کرتے ہوئے وہ دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ :-

> احادیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہنچتی ہوئی آئی ہیں، جن سے حد سے حد اگر کوئی چیز حاصل ہوتی ہے تو وہ گمانِ صحت ہے نہ کہ علمِ یقین۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو اِس خطرہ میں ڈالنا ہرگز پسند نہیں کر سکتا کہ جو امور اس کے دین میں اتنے اہم ہوں کہ اُن سے کفر و ایمان کا فرق واقع ہوتا ہو، انہیں صرف چند آدمیوں کی روایت پر منحصر کر دیا جائے۔ ایسے امور کی تو نوعیت ہی اِس امر کی متقاضی ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کو صاف صاف اپنی کتاب میں بیان فرمائے۔ اللہ کا رسولؐ انہیں اپنے پیغمبرانہ مشن کا اصل کام سمجھتے ہوئے ان کی تبلیغ عام کرے اور وہ بالکل غیر مشتبہ طریقے سے ہر ہر مسلمان تک پہنچا دیئے گئے ہوں۔
>
> (ایضاً۔ صفحہ ۶۷)

ہم بتا چکے ہیں کہ جامعین احادیث نے اپنی روایات کے ساتھ راویوں کا ذکر بھی کر دیا اور ائمہ جرح وتعدیل نے ان کی چھان پھٹک بھی کی۔ لیکن مودودی صاحب کے نزدیک احادیث کے صحیح قرار دینے کا یہ طریق قابلِ اعتماد نہیں۔ وہ لکھتے ہیں :-

> بادی النظر میں یہ بات بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ایسی فعلی اور قولی احادیث کو تواتر کا درجہ حاصل ہونا چاہیئے جن کے دیکھنے اور سننے والے بکثرت ہوں۔ اِن میں اختلاف نہ پایا جانا چاہیئے۔ لیکن ہر شخص بادنیٰ تامل یہ سمجھ سکتا ہے جس واقعہ کو بکثرت لوگوں نے دیکھا ہو یا جس تقریر کو بکثرت لوگوں نے سنا ہو اس کو نقل کرنے یا اُس کے مطابق عمل کرنے میں سب لوگ اِس قدر متفق نہیں ہو سکتے کہ ان کے درمیان یکسر مو فرق نہ پایا جائے .... مثال کے طور پر آج میں ایک تقریر کرتا ہوں اور کئی ہزار آدمی اس کو سنتے ہیں۔ جلسہ ختم ہونے کے چند گھنٹے بعد ہی (مہینوں اور برسوں بعد نہیں بلکہ چند ہی گھنٹے بعد) لوگوں سے پوچھ لیجیئے کہ مقرر نے کیا کہا۔ آپ دیکھیں گے کہ تقریر کا مضمون نقل کرنے میں سب کا بیان یکساں نہ ہوگا۔ کوئی کسی ٹکڑے کو بیان کرے گا، کوئی کسی ٹکڑے کو۔ کوئی کسی جملے کو لفظ بلفظ نقل کرے گا کوئی اس مفہوم کو، جو اس کی سمجھ میں آیا ہے، اپنے الفاظ میں بیان کر دے گا۔ کوئی زیادہ فہیم آدمی ہوگا اور تقریر کو ٹھیک ٹھیک

سمجھ کر اس کا صحیح ملخص بیان کرے گا۔ کسی کی سمجھ زیادہ اچھی نہ ہوگی اور وہ مطلب کو اپنے الفاظ میں اچھی طرح نہ ادا کر سکے گا۔ کسی کا حافظہ اچھا ہوگا اور وہ تقریر کے اکثر حصے لفظ بلفظ نقل کر دے گا۔ کسی کی یاد اچھی نہ ہوگی اور وہ نقل و روایت میں غلطیاں کریگا۔

{ تفہیمات۔ حصہ اول۔ صفحہ ۳۲۹-۳۰ ایڈیشن کا سال نہیں دیا گیا۔
لیکن دیباچہ میں ۳۰ محرم ۱۳۵۹ھ لکھا ملتا ہے۔ }

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ احادیث کا تمام دار و مدار راویوں پر ہے لیکن مودودی صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ یہ طریق ہی سرے سے ناقابلِ اعتماد ہے۔ راوی کتنے ہی ثقہ کیوں نہ ہوں یہ ضروری نہیں کہ ان کی روایت کردہ حدیث قابلِ اعتماد ہو۔ ان کے نزدیک، صحابہؓ تک کو بھی حضورؐ کی باتیں سمجھنے میں غلط فہمی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے (بخاریؒ کی ایک حدیث پر تنقید کرتے ہوئے) لکھا ہے کہ:-

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان کو سمجھنے میں حضرت ابو ہریرہؓ سے کوئی غلطی ہوئی ہے یا وہ پوری بات سن نہیں سکے ہوں گے۔ .... اس قسم کی غلط فہمیوں کی مثالیں متعدد روایات میں ملتی ہیں جن میں سے بعض کو بعض روایات نے صاف کر دیا ہے۔ اور بعض صاف ہونے سے رہ گئیں۔ زبانی روایات میں ایسا ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

(تسنیم۔ احادیث نمبر۔ مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۵۹ء)

جہاں تک ائمہ جرح و تعدیل کی چھان پھٹک کا تعلق ہے، مودودی صاحب کہتے ہیں کہ ان کے متبعین اور محدثین کے اتباع میں جائز حد سے بہت زیادہ تشدد اختیار کرتے ہیں۔ ان کا قول یہ ہے کہ محدثین کرام نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے رکھ دیا۔ ایک ایک حدیث کو چھان کر وہ بتا چکے ہیں کہ کون کس حد تک قابلِ اعتبار ہے اور کون کس حد تک ناقابلِ اعتبار ہے۔ اب ہمارا کام صرف یہ ہے کہ ان بزرگوں نے احادیث کے جو درجے مقرر کر دیئے ہیں، انہی کے مطابق ہم ان کو اعتبار اور حجیت کا مرتبہ دیں .... محدثینؒ کی خدمات مسلّم۔ یہ بھی مسلّم کہ نقدِ حدیث کے لئے جو مواد انہوں نے فراہم کیا ہے وہ صدرِ اوّل کے اخبار و آثار کی تحقیق میں بہت کارآمد ہے۔ کلام اس میں نہیں بلکہ صرف اس امر میں ہے کہ کلیۃً ان پر اعتبار کرنا کہاں تک درست ہے۔ وہ بہرحال تھے تو انسان ہی ...... انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے، اس سے تو ان کے کام محفوظ نہ تھے۔ پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جس کو وہ صحیح قرار دیتے ہیں وہ حقیقت میں بھی صحیح ہے۔ صحت کا کامل یقین تو خود ان کو بھی نہ تھا۔

(تفہیمات۔ حصہ اوّل۔ صفحہ ۳۱۸)

محدثین کی غلطیاں بھی محض سہو و خطا کی بنا پر نہیں بلکہ اس بنا پر تھیں کہ:-

نفس ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا تھا اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ اشخاص کے متعلق اچھی یا بری رائے قائم کرنے میں ان کے جذبات کا بھی کسی حد تک دخل ہو جائے۔ یہ امکان محض

امکانِ عقلی نہیں ہے۔ بلکہ اس امر کا ثبوت موجود ہے کہ بارہا یہ امکان فعل میں آ گیا ہے۔

(تفہیمات۔ حصہ اوّل۔ صفحہ ۳۱۹)

ان تصریحات سے واضح ہے کہ مودودی صاحب احادیث کے مجموعوں میں سے کسی کو بھی بالکلیہ صحیح اور قابلِ اعتماد نہیں سمجھتے۔ اور تو اور، بخاری (کہ جسے اصح الکتب، بعد کتاب اللہ کہا جاتا ہے) کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

> یہ دعوےٰ کرنا صحیح نہیں کہ بخاری میں جتنی احادیث درج ہیں، اُن کے مضامین کو بھی جوں کا توں بلاتنقید قبول کر لینا چاہیئے۔
>
> (ترجمان القرآن۔ اکتوبر و نومبر ۱۹۵۲ء)

اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اہلِ حدیث حضرات کے عقیدے کی رو سے بخاری اور مسلم کی کسی ایک حدیث کا انکار بھی دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ مودودی صاحب کے یہی خیالات تھے جن کی بنا پر جمعیت علمائے اسلام پاکستان کے (سابق) صدر اور دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار کے (سابق) شیخ الحدیث مولانا ظفر احمد عثمانی (مرحوم) نے اپنے فتویٰ (مورخہ ۲۱ رجب ۱۳۷۲ھ) میں لکھا تھا کہ:۔

> یہ شخص منکرِ حدیث ہے، گمراہ اور مبتدع ہے، جاہلِ اجہل ہے۔ پاگل ہے۔
>
> (مقامِ حدیث۔ جلد دوم۔ صفحہ ۲۱۰)

مزاج شناسِ رسولؐ

ہم نے اوپر دیکھ لیا ہے کہ مودودی صاحب احادیث کے مجموعوں کو بالکلیہ صحیح نہیں تسلیم کرتے۔ نہ ہی وہ ائمہ جرح و تعدیل کی چھان پھٹک کو قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں۔ اِس کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک احادیث کے پرکھنے کا قابلِ اعتماد قطعی اور یقینی معیار کیا ہے۔ انہوں نے جو معیار پیش کیا ہے اُسے آپ بڑے غور سے ملاحظہ فرمائیے کہ اُسی میں یہ راز پوشیدہ ہے کہ انہوں نے متقدمین سے لے کر متاخرین تک کی تمام کوششوں کو مسترد کیوں قرار دے دیا ہے۔ سنیئے کہ وہ معیار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

> جس شخص کو اللہ تعالیٰ تفقہ کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے اُس کے اندر قرآن اور سیرتِ رسولؐ کے غائر مطالعہ سے ایک خاص ذوق پیدا ہو جاتا ہے جس کی کیفیت بالکل ایسی ہوتی ہے جیسے ایک پرانے جوہری کی بصیرت، کہ وہ جواہر کی نازک سے نازک خصوصیات تک کو پرکھ لیتی ہے۔ اس کی نظر بحیثیت مجموعی شریعت حقّہ کے پورے سسٹم پر ہوتی ہے اور وہ اس سسٹم کی طبیعت کو پہچان جاتا ہے۔ اِس کے بعد جب جزئیات اس کے سامنے آتے ہیں تو اس کا ذوق اُسے بتا دیتا ہے کہ کون سی چیز اسلام کے مزاج اور اس کی طبیعت سے مناسبت رکھتی ہے اور کون سی نہیں رکھتی۔ روایات پر جب وہ نظر ڈالتا ہے تو اُن میں بھی

یہی کسوٹی ردّ و قبول کا معیار بن جاتی ہے۔ اسلام کا مزاج عین ذاتِ نبویؐ کا مزاج ہے جو شخص اسلام کے مزاج کو سمجھتا ہے اور جس نے کثرت کے ساتھ کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہؐ کا مطالعہ کیا ہوتا ہے۔ وہ نبی اکرمؐ کا ایسا مزاج شناس ہو جاتا ہے کہ روایات کو دیکھ کر خود بخود اس کی بصیرت اُسے بتا دیتی ہے کہ اِن میں سے کون سا قول یا کون سا فعل، میرے سرکار کا ہو سکتا ہے اور کون سی چیز سنتِ نبویؐ سے اقرب ہے۔ یہی نہیں بلکہ جن مسائل میں اس کو قرآن وسنت سے کوئی چیز نہیں ملتی، ان میں بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے فلاں مسئلہ پیش آتا تو آپ اس کا فیصلہ یوں فرماتے۔ یہ اس لئے کہ اس کی روح، روحِ محمدیؐ میں گم اور اس کی نظر، بصیرتِ نبویؐ کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔ اس کا دماغ اسلام کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے اور وہ اُسی طرح دیکھتا اور سوچتا ہے جس طرح اسلام چاہتا ہے کہ دیکھا اور سوچا جائے۔ اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد انسان اسناد کا زیادہ محتاج نہیں رہتا۔ وہ اسناد سے مدد ضرور لیتا ہے، مگر اُس کے فیصلے کا مدار اس پر نہیں ہوتا۔ وہ بسا اوقات ایک غریب، ضعیف، منقطع السند، مطعون فیہ حدیث کو بھی لے لیتا ہے۔ اِس لئے کہ اس کی نظر اس افتادہ پتھر کے اندر ہیرے کی جوت دیکھ لیتی ہے۔ اور بسا اوقات وہ ایک غیر معلّل، غیر شاذ، متصل السند، مقبول حدیث سے بھی اعراض کر جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس جامِ زریں میں جو بادۂ معنی بھری ہوئی ہے، وہ اُسے طبیعتِ اسلام اور مزاجِ نبویؐ کے مناسب نظر نہیں آتی۔

(تفہیمات۔ حصہ اوّل۔ صفحہ ۳۲۴-۳۲۳)

مودودی صاحب کے اس بیان سے واضح ہے کہ ان کے نزدیک دین میں آخری سند اور حجت —— مزاج شناسِ رسول —— کی نگہِ بصیرت ہے اور بس! وہی یہ بتا سکتا ہے کہ احادیث کے موجودہ ذخائر میں سے کونسی حدیث رسول اللہؐ کی ہو سکتی ہے اور کون سی نہیں۔ حتیٰ کہ جن معاملات میں اسے قرآن اور حدیث سے کوئی سند نہیں ملتی، ان کے متعلق وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اگر رسول اللہؐ آج موجود ہوتے تو وہ اِس باب میں کیا فیصلہ دیتے۔ اس سے آپ سمجھ لیجئے کہ ان کے نزدیک دین میں مزاج شناسِ رسول کا کیا مقام ہے۔

اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ "مزاج شناسِ رسول" خود مودودی صاحب ہیں۔ چنانچہ اُن کے (اُس زمانہ کے) دستِ راست مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے منیر کمیٹی میں یہ بیان دیا تھا کہ جماعت اسلامی کے نزدیک "مزاج شناسِ رسول" خود مودودی صاحب ہیں۔ مودودی صاحب کے اسی ادّعا پر تنقید کرتے ہوئے مولانا اسماعیل (مرحوم) نے لکھا تھا کہ:-

اگر ایک جماعت اپنی عقیدت مندی سے کسی اپنے بزرگ یا قائد کو خدا کا مزاج شناس سمجھ لے یا رسول اللہ کا مزاج شناس" تصوّر کر لے، پھر اُسے اختیار دے دے کہ اصولِ محدثین

کے خلاف جس حدیث کو چاہے، قبول کرلے، جسے چاہے رد کردے۔ یا کوئی عالم یا قائد بلا وجہ کسی موضوع یا مختلق، مرسل یا منقطع حدیث کے متعلق یہ دعویٰ کردے کہ میں نے اس میں "ہیرے کی جوت" دیکھ لی ہے تو یہ مضحکہ انگیز پوزیشن ہمیں یقیناً ناگوار ہے۔ ہم انشاءاللہ آخری حد تک اس کی مزاحمت کریں گے اور سنتِ رسولؐ کو ان ہوائی حملوں سے بچانے کی کوشش کریں گے۔

(جماعتِ اسلامی کا نظریۂ حدیث۔ صفحہ ۶۳)

احادیث کے متعلق بعینہٖ یہی پوزیشن مرزا غلام احمد نے اختیار کی تھی۔ انہوں نے کہا تھا:۔

اور جو شخص حکم ہو کر آیا ہے اس کو اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پاکر قبول کرلے اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پاکر رد کردے۔ (تحفہ گولڑویہ۔ صفحہ ۱۰۔ بحوالہ "ختمِ نبوت اور تحریکِ احمدیت" از پرویز صاحب۔ صفحہ ۱۳۲)

مرزا صاحب نے کہا ہے کہ "خدا سے علم پاکر" اور مودودی صاحب نے کہا ہے کہ "جس شخص کو اللہ تعالیٰ تفقہ کی نعمت سے سرفراز فرمائے"۔ اسے رد و قبول کا یہ غیر مشروط حق حاصل ہو جاتا ہے۔ نتیجہ کے اعتبار سے بات ایک ہی ہے کہ اس کے لئے کوئی خارجی اصول مقرر نہیں۔ ایک فرد کا فیصلہ، قولِ فیصل اور حرفِ آخر قرار پاتا ہے۔ یہ ہے وہ مقام جسے مودودی صاحب نے اپنے لئے تجویز فرما رکھا ہے۔ یا للعجب!

سُنّت کے متعلق

حدیث کی بحث کے بعد اب ہم سُنّت کی طرف آتے ہیں۔ دین میں کچھ امور تو اصولی ہوتے ہیں اور باقی وہ جزئیات، جن پر عمل کرنے کے معنی دین پر عمل کرنا ہوتے ہیں — جو جزئیات اُمت میں متداول ہیں ان کے متعلق نظریہ یہ ہے کہ یہ رسول اللہؐ کی (یا بعض کے نزدیک رسول اللہؐ اور خلفائے راشدینؓ کی) متعین فرمودہ ہیں۔ اور ان میں کسی قسم کا ردّ و بدل نہیں ہو سکتا۔ اُمت کے مختلف فرقوں میں ان جزئیات میں اختلاف ہے۔ لیکن ان میں سے ہر فرقہ اپنی جزئیات کے متعلق یہی عقیدہ رکھتا ہے۔ اور یہ جو ہم دیکھتے ہیں کہ ہر فرقہ اپنی جزئیات پر عمل پیرا رہنے پر مصر ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ انہیں غیر متبدل سمجھتا ہے۔ اس طریقِ عمل کا نام اتباعِ سنتِ رسول اللہؐ قرار دیا جاتا ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کیا مودودی صاحب ان احکام کو، جو رسول اللہؐ کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں، ناقابلِ تغیّر و تبدل سمجھتے ہیں یا ان میں تغیر و تبدل کو جائز یا ضروری قرار دیتے ہیں۔

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مودودی صاحب نے احادیث کے پرکھنے کے تمام معیارات کو دریا برد کر کے معیار یہ قائم کیا کہ جس حدیث کو وہ، بحیثیت مزاج شناسِ رسول، صحیح قرار دیں، اُسے صحیح سمجھا جائے،

جسے ضعیف یا وضعی ٹھہرائیں، اُسے مسترد کر دیا جائے۔ اب سوال یہ سامنے آتا ہے کہ جن احادیث کو اس طرح صحیح قرار دیا جائے، کیا ان سب کا اتباع، اتباعِ سنت کہلائے گا؟ مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں۔ سنت کی (DEFINITION) اور ہے۔ اسے خود سے سنیئے ــــ وہ کہتے ہیں :-

> سنت کے متعلق لوگ عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ اپنی زندگی میں کیا ہے، وہ سب سنت ہے۔ لیکن یہ بات ایک بڑی حد تک درست ہونے کے باوجود ایک حد تک غلط بھی ہے۔ دراصل سنت، اس طریق عمل کو کہتے ہیں جس کے سکھانے اور جاری کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے اپنے نبیؐ کو مبعوث کیا تھا۔ اس سے شخصی زندگی کے وہ طریقے خارج ہیں جو نبیؐ نے بحیثیت ایک انسان ہونے، یا بحیثیت ایک ایسا شخص ہونے کے جو انسانی تاریخ کے خاص دور میں پیدا ہوا تھا، اختیار کئے۔ یہ دونوں چیزیں کبھی ایک ہی عمل میں مخلوط ہوتی ہیں۔ اور ایسی صورت میں یہ فرق و امتیاز کرنا، کہ اس عمل کا کونسا جزو سنت ہے اور کونسا جزو عادت، بغیر اس کے ممکن نہیں ہوتا کہ آدمی اچھی طرح دین کے مزاج کو سمجھ چکا ہو۔
>
> (رسائل و مسائل۔ حصہ اول۔ صفحہ ۳۱۰-۳۱۱)

واضح رہے کہ احادیث کی کسی کتاب میں بھی یہ مذکور نہیں کہ حضورؐ نے فلاں کام رسول ہونے کی حیثیت سے کیا تھا اور فلاں کام انسان ہونے کی حیثیت سے۔ مودودی صاحب کا ارشاد ہے کہ سنت انہی کاموں کو کہا جائے گا جو حضورؐ نے بحیثیتِ رسول کئے تھے اور اس کا فیصلہ بھی وہی شخص کر سکتا ہے جو دین کے مزاج کو سمجھ چکا ہو۔ یعنی حدیث کے صحیح یا غلط ہونے کا معیار بھی مزاج شناسِ رسول کی نگہِ بصیرت اور صحیح احادیث میں سے سنت کا تعین بھی اُسی کے فیصلے پر منحصر ــــ رسول اللہ کے طریقِ عمل کے اس امتیاز کے متعلق وہ آگے چل کر لکھتے ہیں :-

> تمدن و معاشرت کے معاملات میں ایک چیز وہ اخلاقی اصول ہیں جن کو زندگی میں جاری کرنے کے لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے اور دوسری چیز، وہ عملی صورتیں ہیں جن کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ان اصولوں کی پیروی کرنے کے لئے خود اپنی زندگی میں اختیار کیا۔ یہ عملی صورتیں کچھ تو حضورؐ کے شخصی مذاق اور طبیعت کی پسند پر مبنی تھیں، کچھ اس ملک کی معاشرت پر جس میں آپ پیدا ہوئے تھے، اور کچھ اس زمانہ کے حالات پر، جس میں آپ مبعوث ہوئے تھے۔ ان میں سے کسی چیز کو بھی تمام اشخاص اور تمام اقوام اور تمام لوگوں کیلئے سنت بنا دینا مقصود نہ تھا۔ (رسائل و مسائل۔ حصہ اول۔ صفحہ ۳۱۷)

اسی کی وضاحت میں دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔

بعض چیزیں ایسی ہیں جو حضورؐ کے اپنے شخصی مزاج اور قومی طرزِ معاشرت، اور آپ کے عہد کے تمدن سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کو سنت بنانا نہ تو مقصود تھا نہ ان کی پیروی پر اس دلیل سے اصرار کیا جا سکتا ہے کہ حدیث کی رو سے اس طرزِ خاص کا لباس نبی صلے اللہ علیہ وسلم پہنتے تھے اور نہ شرائع الٰہیہ اس غرض کے لئے آیا کرتی ہیں کہ کسی خاص شخص کے ذاتی مذاق یا کسی قوم کے مخصوص تمدن، یا کسی خاص زمانے کے رسم و رواج کو دنیا بھر کے لئے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سنت بنا دیں۔

سنت کی اس مخصوص تعریف کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو یہ بات بہ آسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جو چیزیں اصطلاحِ شرعی میں سنت نہیں ہیں، ان کو خواہ مخواہ سنت قرار دے دینا من جملہ ان بدعات کے ہے جن سے نظامِ دین میں تحریف واقع ہوتی ہے۔

(رسائل و مسائل۔ حصہ اوّل۔ ص ۳۱۴)

پھر لکھتے ہیں:۔

جو امور آپ نے عادتاً کئے ہیں انہیں سنت بنا دینا اور تمام دنیا کے انسانوں سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ سب ان عادات کو اختیار کریں، اللہ اور اس کے رسُول کا ہرگز یہ منشا نہ تھا۔ یہ دین میں تحریف ہے۔

(رسائل و مسائل۔ حصہ اوّل۔ ص ۳۰۰)

تحریف اور خطرناک تحریف۔ کہتے ہیں:۔

میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا اور پھر اُن کے اتباع پر اصرار کرنا ایک سخت قسم کی بدعت اور ایک خطرناک تحریفِ دین ہے۔ جس سے نہایت بُرے نتائج پہلے بھی ظاہر ہوتے رہے ہیں، اور آئندہ بھی ظاہر ہونے کا خطرہ ہے۔ (ایضاً۔ ص ۳۰۸)

یعنی:۔

۱ ـــــ اگر کسی کام کے متعلق کوئی شخص یہ کہے کہ حضورؐ نے اُسے عادۃً کیا تھا اور مودودی صاحب فرمائیں کہ نہیں، حضورؐ نے اُسے بحیثیتِ رسول سرانجام دیا تھا، تو ایسا کہنے والا مودودی صاحب کے نزدیک "منکرِ حدیث" ہوگا اور قابلِ گردن زدنی ـــــ اور

۲ ـــــ اگر کوئی شخص کسی کام کے متعلق یہ کہے کہ اُسے حضورؐ نے بحیثیت رسول سرانجام دیا تھا اور مودودی صاحب فرمائیں کہ نہیں، اُسے حضورؐ نے عادتاً کیا تھا تو ایسا کہنے والا دین میں

تحریف کا مرتکب، لہٰذا قابلِ دار۔

کیا سنت غیر متبدل ہے!

اِس کے بعد یہ سوال سامنے آتا ہے کہ خود مودودی صاحب کے فیصلہ کے مطابق جو امورِ سنت ہیں، کیا وہ قیامت تک کے لئے غیر متبدل رہیں گے یا اُن میں تغیر و تبدل کیا جا سکے گا۔ اِس سلسلے میں وہ فرماتے ہیں:۔

> یہ حقیقت یقیناً ناقابلِ انکار ہے کہ شارع نے غایت درجہ کی حکمت اور کمال درجہ کے علم سے کام لے کر اپنے احکام کی بجا آوری کے لئے زیادہ تر ایسی ہی صورتیں تجویز کی ہیں جو تمام زمانوں اور تمام مقامات اور تمام حالات میں اُن کے مقاصد کو پورا کرتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بکثرت جزئیات ایسے بھی ہیں جن میں تغیرِ حالات کے لحاظ سے احکام میں تغیر ہونا ضروری ہے ـــ جو حالات عہدِ رسالتؐ اور عہدِ صحابہؓ میں عرب اور دنیائے اسلام کے تھے، لازم نہیں کہ بعینہٖ وہی حالات ہر زمانے اور ہر ملک کے ہوں۔ لہٰذا احکامِ اسلامی پر عمل کرنے کی جو صورتیں اُن حالات میں اختیار کی گئی تھیں اُن کو جوں کا توں تمام زمانوں اور تمام حالات میں قائم رکھنا اور مصالح و حکم کے لحاظ سے اُن کے جزئیات میں کسی قسم کا ردّ و بدل نہ کرنا ایک طرح کی رسم پرستی ہے جس کو روحِ اسلامی سے کوئی علاقہ نہیں .... جزئیات میں دلالۃ النص اور اشارۃ النص تو درکنار، صراحۃ النص کی پیروی بھی تفقہ کے بغیر درست نہیں ہوتی اور تفقہ کا اقتضاء یہ ہے کہ انسان ہر مسئلہ میں شارع کے مقاصد و مصالح پر نظر رکھے اور انہی کے لحاظ سے جزئیات میں تغیرِ احوال کے ساتھ ایسا تغیر کرتا رہے جو شارع کے اصولِ تشریع پر مبنی اور اس کے طرزِ عمل سے اقرب ہو۔ (تفہیمات۔ حصہ دوم۔ اگست ۱۹۵۱ء ایڈیشن۔ صفحہ ۳۲۸-۳۲۷)

دوسری جگہ وہ بصراحت لکھتے ہیں کہ عبادات کے سوا دیگر تمام احکام میں تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

> اب رہ گئے احکام۔ تو قرآنِ مجید میں ان کے متعلق زیادہ تر کُلّی قوانین بیان کئے گئے ہیں اور بیشتر امور میں تفصیلات کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے عملاً ان احکام کو زندگی کے معاملات میں جاری فرمایا اور اپنے عمل اور قول سے ان کی تفصیلات ظاہر فرمائیں۔ ان تفصیلات میں سے بعض ایسی ہیں جن میں ہمارے اجتہاد کو کوئی دخل نہیں۔ ہم پر لازم ہے کہ جیسا عمل حضورؐ سے ثابت ہے اُسی کی پیروی کریں۔ مثلاً عبادات کے احکام ـــــــ اور بعض

تفصیلات ایسی ہیں کہ ان سے ہم اصول اخذ کرکے اپنے اجتہاد سے فروع مستنبط کرسکتے ہیں۔ مثلاً عہد نبویؐ کے قوانین مدنی۔ اور بعض تفصیلات ایسی ہیں کہ ان سے ہم کو اسلام کی اسپرٹ معلوم ہوتی ہے۔ اگر یہ اسپرٹ ہمارے قلب و روح میں جاری و ساری ہو جائے تو ہم اس قابل ہو جائیں گے کہ زندگی کے جملہ معاملات اور مسائل پر ایک مسلمان کی سی ذہنیت اور ایک مسلمان کی سی بصیرت کے ساتھ غور کریں اور دنیا کے علمی اور عملی مسائل کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھیں اور ان کے متعلق ویسی ہی رائے قائم کریں، جیسی ایک مسلمان کو کرنی چاہیئے۔

(تفہیمات ۔ حصہ اوّل ۔ صفحہ ۲۲۳ ۔ ۲۳۲)

حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کے متعلق

مودودی صاحب نے یہاں یہ کہا ہے کہ عبادات سے متعلق احکام ہیں تو تغیر و تبدل نہیں کیا جا سکتا لیکن عہد نبویؐ کے مدنی قوانین کی جزئیات ہم خود مرتب کرسکتے ہیں۔ اسی کی تشریح میں وہ دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو نمونہ قرار دینے اور آپ کے اتباع کا عام حکم دینے سے یہ مراد نہیں کہ آپ نے جو کچھ کیا اور جس طرح کہا، لوگ بھی بعینہٖ وہی فعل اسی طرح کریں اور اپنی زندگی میں آپ کی حیاتِ طیبہ کی ایسی نقل اتاریں کہ اصل اور نقل میں کوئی فرق نہ رہے۔ یہ مقصد نہ قرآن کا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ یہ دراصل ایک عام اور اجمالی حکم ہے جس پر عمل کرنے کی صحیح صورت ہم کو خود نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور صحابۂ کرامؓ کے طریقہ سے معلوم ہو جاتی ہے۔ یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔ مجملاً میں عرض کرتا ہوں کہ جو امور براہِ راست دین اور شریعت سے تعلق رکھتے ہیں ان میں تو حضورؐ کے ارشادات کی اطاعت اور آپ کے عمل کی پیروی طابق النعل بالنعل کرنی ضروری ہے۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور طہارت وغیرہ مسائل، کہ ان میں جو کچھ آپ نے حکم دیا ہے اور جس طرح خود عمل کرکے بتایا ہے اس کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرنی لازم ہے۔ رہے وہ امور، جو براہ راست دین سے تعلق نہیں رکھتے۔ مثلاً تمدنی، معاشی اور سیاسی معاملات اور معاشرت کے جزئیات تو ان میں بعض چیزیں ایسی ہیں، جن کا حضورؐ نے حکم دیا ہے یا جن سے

بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ بعض ایسی ہیں جن میں حضورؐ نے حکمت اور نصیحت کی باتیں ارشاد فرمائی ہیں اور بعض ایسی ہیں، جن میں حضورؐ کے طرزِ عمل سے ہم کو مکارمِ اخلاق اور تقویٰ و پاکیزگی کا سبق ملتا ہے، اور ہم آپ کے طریقہ کو دیکھ کر یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ عمل کے مختلف طریقوں میں سے کونسا طریقہ روحِ اسلامی سے مطابقت رکھتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص نیک نیتی کے ساتھ حضورؐ کا اتباع کرنا چاہے اور اسی غرض سے آپ کی سنت کا مطالعہ کرے تو اس کے لئے یہ معلوم کرنا کچھ بھی مشکل نہیں کہ کن امور میں آپ کا اتباع طابق النعل بالنعل ہونا چاہیئے اور کن امور میں آپ کے ارشادات اور اعمال سے اصول اخذ کر کے قوانین وضع کرنے چاہئیں اور کن امور میں آپ کی سنت سے اخلاق و حکمت اور خیر و صلاح کے عام اصول مستنبط کرنے چاہئیں۔

(تفہیمات۔ حصہ اوّل۔ صفحہ ۲۷۹)

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک دین سے براہِ راست تعلق نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور طہارت وغیرہ مسائل کو ہے۔ انسان کے تمدنی، معاشی، سیاسی معاملات کا تعلق براہِ راست دین سے نہیں۔ اس نکتہ کو پیشِ نظر رکھیئے اور مودودی صاحب کے اس دعویٰ پر غور کیجئے کہ ہم دین کو سیاست سے الگ کیسے کر سکتے ہیں!

ملخص گذشتہ صفحات میں حدیث و سنت کے متعلق مودودی صاحب کے نظریات آپ کے سامنے آ چکے۔ یہ تمام کے تمام ان کے اپنے الفاظ میں پیش کئے گئے ہیں۔ ہم نے اپنی طرف سے ان میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ انہوں نے جو کچھ کہا ہے اس کا ملخص یہ ہے کہ:۔

۱۔ احادیث کے مجموعوں کو از سرِ نو پرکھنا چاہیئے۔ اس کے لئے محدثین کے طے کردہ معیار قابلِ اعتماد نہیں۔ معیار صرف مزاج شناسِ رسول کی نگہِ بصیرت ہے۔ جس حدیث کو وہ صحیح کہہ دے اسے صحیح تسلیم کرنا ہوگا۔ جسے وہ ضعیف قرار دے دے وہ مسترد کر دی جائے گی۔

۲۔ صحیح احادیث بھی تمام کی تمام سنت نہیں قرار دی جائیں گی۔ سنت صرف وہ طریقِ عمل ہوگا جسے حضورؐ نے بحیثیت رسول اختیار فرمایا تھا۔ اس کا فیصلہ بھی مزاج شناسِ رسول کی نگہِ بصیرت کرے گی۔

۳۔ سنت بھی ہمیشہ کے لئے غیر متبدل اور واجب الاتباع نہیں ہوگی۔ نماز،

روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے احکام تو غیر متبدل رہیں گے لیکن انسانوں کے تمدنی، سیاسی، معاشرتی، معاشی امور سے متعلق احکام غیر متبدل نہیں ہوں گے۔ ان میں زمانے کے تقاضوں کے لحاظ سے تغیر و تبدل کیا جا سکے گا، کیونکہ ان کا تعلق براہ راست دین سے نہیں۔

علماء سے درخواست

ہم مودودی صاحب کے اِن نظریات پر اپنی طرف سے کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے۔ ہم جملہ علمائے اہلِ سنت و الجماعت سے (جن میں اہلِ حدیث، دیوبندی، بریلوی حضرات سب شامل ہیں) یہ گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ وہ خدا کو حاظر ناظر جان کر یہ بتائیں کہ کیا ایسے نظریات کا معتقد، ان کے نزدیک حدیث کا ماننے والا تسلیم کیا جائے گا یا اُسے منکرِ حدیث قرار دیا جائے گا؟ اور کیا ایسے شخص کو متبع سنتِ رسول اللہ کہا جائے گا یا منکرِ سنت۔

ہم اپنی اس گزارش پر صرف اتنا اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ اگر انہوں نے اس باب میں سکوت برتا یا مداہنت سے کام لیا تو اس کے متعلق ان سے بارگاہِ خداوندی میں باز پرس ہوگی اور وہ وہاں یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ ہمیں اس شخص کے عقائد و نظریات کا علم نہیں تھا۔ یہ فریضہ ہم نے ادا کر دیا ہے اور باقی فریضہ آپ کے ذمہ ہے۔ آپ کے جواب کے لئے طلوعِ اسلام کے صفحات کھلے رہیں گے۔

فقہ کے متعلق

بات اگرچہ حدیث کے متعلق ہو رہی ہے اور ہم اپنی گفتگو کو سردست اسی تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن آخر میں یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کے فقہ کے متعلق نظریات بھی مختصر الفاظ میں پیش کر دیئے جائیں۔ وہ فرماتے ہیں :-

۱ـــــ مجتہد خواہ کتنا ہی باکمال ہو، زمان و مکان کے تعینات سے بالکل آزاد نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کی نظر تمام ازمنہ و احوال پر وسیع ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اس کے تمام اجتہادات کا تمام زمانوں میں اور تمام حالات کے مطابق ہونا غیر ممکن ہے۔

(تفہیمات۔ حصہ دوم۔ ایڈیشن ۱۹۵۱ء۔ ص۲۲۶)

۲ـــــ یہ سلف کون سے انبیاء تھے جن پر ایمان لانے کی مسلمانوں کو تکلیف دی گئی ہے۔ (ایضاً۔ ص۱۳۷)

۳ـــــ بزرگانِ سلف کے اجتہادات نہ تو اٹل قانون قرار دیئے جا سکتے ہیں اور نہ سب کے سب دریا بُرد کر دینے کے لائق ہیں۔ صحیح اور

معتدل مسلک یہی ہے کہ ان میں ردو بدل کیا جا سکتا ہے۔

(رسائل و مسائل - جلد دوم - ایڈیشن ستمبر ۱۹۶۲ء - صفحہ ۲۸۶)

۴ ـــــ دوسرا بنیادی نقص اس مسخ شدہ مذہبیت میں یہ ہے کہ اس میں اسلامی شریعت کو ایک منجمد شاستر بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔

(ترجمان القرآن - محرم ۱۳۶۰ھ)

۵ ـــــ میرا طریقہ یہ ہے کہ میں ان میں سے کسی کی تحقیق کو حرفِ آخر نہیں سمجھتا۔ اور جب میرا ان کے بیانات سے اطمینان نہیں ہوتا تو خود غور و فکر کرکے رائے قائم کرتا ہوں۔

(رسائل و مسائل - حصہ دوم - ایڈیشن ستمبر ۱۹۶۲ء - صفحہ ۱۶۰)

۶ ـــــ میں نہ مسلکِ اہلِ حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت یا شافعیت ہی کا پابند ہوں۔

(رسائل و مسائل حصہ اوّل - ستمبر ۱۹۵۱ء ایڈیشن صفحہ ۲۳۵)

۷ ـــــ میرے نزدیک صاحبِ علم آدمی کے لئے تقلید ناجائز اور گناہ، بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز ہے۔ (ایضاً صفحہ ۲۴۴)

۸ ـــــ ایک صاحبِ عقلِ انسان کے لئے اس سے زیادہ شرمناک بات کیا ہو سکتی ہے کہ وہ کسی عقیدہ کا معتقد ہو اور اس اعتقاد کے حق میں اس کے پاس اس کے سوا اور کوئی دلیل نہ ہو کہ اس کے باپ دادا بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے........ کسی چیز کے صحیح یا برحق ہونے کے لئے یہ کوئی دلیل ہی نہیں کہ بزرگوں سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے۔

(تنقیحات - پانچواں ایڈیشن - صفحہ ۱۵۰-۱۵۱)

۹ ـــــ انسان خواہ سراسر اپنی رائے سے اجتہاد کرے یا کسی الہامی کتاب سے اکتساب کرکے اجتہاد کرے، دونوں صورتوں میں اس کا اجتہاد دنیا کے لئے دائمی قانون اور اٹل قاعدہ نہیں بن سکتا کیونکہ انسانی تعقل اور علم ہمیشہ زمانہ کی قیود سے مقید ہوتا ہے۔ (ایضاً - صفحہ ۱۲)

فقہ کے متعلق مودودی صاحب کے ان نظریات کے ساتھ اُن کے اس مطالبہ کو بھی پیشِ نظر رکھئے کہ ملک میں فقہ حنفی رائج کر دی جائے۔

ہم حنفی علمائے کرام سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ جس شخص کے فقہ اور ائمہ فقہ کے متعلق وہ خیالات ہوں جنہیں ہم نے اوپر درج کیا ہے، اس کے متعلق آپ حضرات کا فتویٰ کیا ہے؟

حقائق و عبر

۱۔ غریب مسلمان کی میّت

ذیل کی خبر پڑھیئے اور خون کے آنسو بہائیے۔

غریب مسلمان کی میت

دولت گیٹ (ملتان) میں ایک مسلمان خاکروب کی میت صرف اس وجہ سے ۲۴ گھنٹے تک رکھی رہی کہ میت کو غسل دینے کے لئے جس مولوی کو بھی بلایا گیا وہ نہ آیا۔ مرحوم کے ورثاء نے ..... مردوں کو غسل دینے والے تمام لوگوں سے رابطہ قائم کیا۔ ہر مولوی نے آنے کا وعدہ کیا مگر رات گئے تک کوئی نہ آیا۔ مرحوم کا صبح آٹھ بجے انتقال ہوا اور بالآخر دس بجے رات کو ضلع مظفرگڑھ کے ایک مزدور کو پچاس روپے دے کر میت کو غسل دینے کے لئے لایا گیا اور تدفین عمل میں آئی۔

(امروز۔ ملتان۔ مورخہ ۲۶ر نومبر ۱۹۷۶ء)

مذہب جب پیشہ بن جائے تو اس میں اس قسم کے واقعات نہ غیر متوقع ہوتے ہیں، نہ غیر معمولی۔ ہر پیشہ ور یہی دیکھتا ہے کہ مجھے اس کام کی اُجرت کیا ملے گی۔ "غسل دینے کی اُجرت" کا ایک حالیہ واقعہ خود ہمارا چشم دید ہے۔ میت کے مکان کے قریب ایک جامع مسجد ہے۔ وہاں کے غسّال سے رابطہ قائم کیا تو اس نے سو روپیہ طلب فرمایا۔ کہا کہ کچھ کم کر دیجئے تو اس نے نہایت رعونت سے جواب دیا کہ کم پیسوں میں غسل دلانا ہو تو وہ سامنے چھوٹی مسجد ہے وہاں کے مولوی صاحب کو بلا لیجئے۔ چنانچہ چھوٹی مسجد کے مولوی صاحب پچاس روپے پر رضامند ہو گئے۔ وہ غسل بھی دیتے جاتے تھے اور بڑی بڑی مساجد والوں کو ملاحیاں بھی سناتے جاتے تھے۔

اور غسل تو میت کے تجہیز و تکفین کے سلسلہ کی پہلی کڑی ہوتا ہے۔ اس کے بعد کفن کا مسئلہ آتا ہے جس کے لئے "از روئے شریعت" اٹھارہ گز نئے کپڑے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر کفن سینے والے کی اُجرت جس کے نزدیک مشین سے کفن سینا مکروہ ہوتا ہے۔ اسے ہاتھ سے سیا جاتا ہے اس لئے اُجرت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ ازاں بعد گورکن اور ان کے بھائی، جنازہ پڑھانے والے مولوی صاحب۔ پھر قبر کے سرہانے "اسقاط کرانے والے"۔ اس کے بعد، قل۔ جمعراتیں۔ چالیسواں۔ اور اگر میت کسی امیر آدمی کی ہے تو

چالیس دن تک قبر پر "قرآن خوانی" ان تمام مراحل میں مولوی کی ضرورت لابینفک!

یہ سب کچھ "از روئے شریعت" اس لئے ضروری ہے کہ مولوی بیچارے کا ذریعہ معاش کوئی اور نہیں۔ اور اگر ملتان کے مولوی صاحبان اس لئے غسل دینے کے لئے نہیں آئے کہ میت مسلمان "خاکروب" کی تھی تو اس ذہنیت پر جس قدر بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔ ہماری یہی ذہنیت تھی جس کی وجہ سے پاکستان کے تمام خاکروب، عیسائیت کی آغوش میں چلے گئے۔ ہم انہیں "نیچ" ذات کے قرار دیتے رہے اور پادریوں نے آگے بڑھ کر انہیں گلے سے لگا لیا۔

۲۔ یہ فرقے نہیں، مکاتب فکر ہیں

ماہنامہ "محدث" (لاہور) کی شوال المکرم ۱۳۹۶ھ کی اشاعت میں، پروفیسر محمد سلیمان اظہر، ایم۔اے، کے قلم سے ایک مقالہ شائع ہوا ہے جس کے شروع میں لکھا گیا ہے:-

ان دنوں بدقسمتی سے ہمارے ملک میں یہ ناخوشگوار بحث چل نکلی ہے کہ وہابی (نجدی) یا اہلحدیث کی اقتداء میں حنفی خصوصاً بریلوی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر کوئی پڑھ لے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔ حرمین شریفین کے عالی قدر اماموں کی پاکستان میں آمد اور عوام کی طرف سے ان کی بے پناہ پذیرائی سے بوکھلا کر ہمارے کرم فرماؤں نے یہ بحث شروع کر رکھی ہے اور فتویٰ بازی کا بازار گرم ہے۔

برصغیر کے اہل حدیث حضرات کے لئے یہ بحث کوئی نئی نہیں ہے۔ جب بھی حضرات مقلدین دلائل کی جنگ ہار جاتے ہیں تو پھر اسی قسم کی صورت حال پیدا کر کے اپنے مکتب فکر کی بقا کا سامان کیا جاتا ہے۔ پہلے بھی ایسا ہوتا آیا ہے۔ اہل حدیث پر مساجد کے دروازے بند کرنے، ان کے مسجد آجانے پر مساجد دھلوانے، رفع الیدین و آمین بالجہر کہنے پر زدوکوب۔ ان کی لامذہبیت کے فتوے ان کے معاشرتی بائیکاٹ کی تحریکیں۔ ان کے قتل کے سامان اور عدالتوں میں ان کے خلاف مقدمات کا کھیل بہت پرانا ہے۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ ہم (مقلدین) سواد اعظم ہیں (جو سراسر غلط دعویٰ ہے) اس لئے ان قلیل التعداد اہل حدیثوں کو دبا لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ لیکن ہوتا ہمیشہ ان کے برعکس ہے۔ کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ۔ اس نام نہاد سواد اعظم پر کتنی ہی بار فتح یاب ہوا ہے۔ خواہ وہ تحریر و تقریر کا میدان ہو یا عدالتی کارروائیوں کا سلسلہ ہو۔

برصغیر پاک و ہند میں جب مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے وہ مشہور اشتہار شائع کیا جس میں مقلدین سے ۱۰ سوال کئے گئے تھے تو ان کے جواب سے عاجز آکر حضرات مقلدین نے ہلڑ بازی شروع کر دی (یہ ۱۸۷۷ء کے گرد و پیش کی بات ہے) مساجد میں عاملین سنت کا داخلہ بند کیا گیا، ان کی اقتدا میں نماز پڑھنے کو ناجائز کہا۔ جن مساجد میں اہل حدیث امام و خطیب تھے، انہیں

نکالنے کی کوشش کی گئی۔ غرض ملک ایک عجیب ہنگامے کی نذر ہو گیا۔ کہیں مساجد دھلوائی جا رہی ہیں۔ اس لئے کہ عاملینِ سنت کے قدم اس میں پڑ گئے ہیں۔ کہیں مار پیٹ ہو رہی ہے۔ اس لئے کہ آمین و رفع الیدین کی سنت کیوں ادا کی جا رہی ہے۔ کہیں عدالتوں میں مقدمات دائر ہیں کہ امام طریقِ سنت کے مطابق نماز کیوں پڑھاتا ہے۔ اسے برطرف کیا جائے۔

ایسا ہی ایک مقدمہ جو پریوی کونسل تک پہنچا۔ ہمارے پیشِ نظر ہے۔ یہ مقدمہ منصف، سب جج، ہائی کورٹ اور پھر پریوی کونسل لندن میں سماعت ہوا۔ مقدمے کی بنا یہ تھی کہ امام مسجد اہلِ حدیث ہو گیا ہے۔ اب وہ آمین اور رفع الیدین کا عامل ہے۔ مسجد احناف کی چلی آ رہی ہے۔ امام کے اس فعل سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے امام کو امامت سے برطرف کیا جائے۔ ہماری اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔

اس کے بعد، قریب بارہ صفحات میں اس مقدمہ کی تفاصیل درج کی گئی ہیں، جس کا فیصلہ پریوی کونسل نے اہلِ حدیث کے حق میں دے دیا تھا۔ اس کے بعد لکھا ہے:۔

قارئین کرام اب طویل فیصلہ جو برٹش امپائر کی سب سے بڑی عدالت سے بنگال ہائی کورٹ کے انگریز ججوں کے فیصلے کے خلاف صادر ہوا۔ بغور ملاحظہ فرمایئے اور دیکھئے کہ اہلِ حدیث کو اہلِ سنت قرار دیا گیا ہے۔ اہلِ حدیث کی اقتداء میں مقلدین کے دلائل سننے کے بعد مقلدین کی نماز کو درست قرار دیا گیا ہے۔ ہم اپنے ان کرم فرماؤں سے پوچھتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اپنے تازہ موقف میں سچے ہیں تو پریوی کونسل میں پیش ہو کر یہ موقف کیوں نہ پیش کیا۔ وہاں سے بھاگ کیوں گئے تھے۔ آخر وہ نئے دلائل کون سے ہیں جو اس فیصلے کے بعد ان لوگوں کے ہاتھ آئے ہیں۔ وہ دلائل لے کر یہ کسی عدالت میں کیوں نہیں جاتے اور پریوی کونسل کا یہ فیصلہ کالعدم کیوں نہیں کرواتے۔ عوام کالانعام کو ایسی باتوں سے بے خبر رکھ کر کیوں غلط راستے کی طرف ہانک رہے ہیں۔ حقائق کو پس پشت ڈال کر تعصب اور ہٹ دھرمی سے کیوں اپنی عاقبت خراب کی جا رہی ہے۔ حرمین کے ائمہ اور عاملینِ سنت کو کیوں موردِ طعن بنایا جا رہا ہے۔ ہم آئندہ نشست میں علمائے احناف کے وہ فتوے آپ کے سامنے پیش کریں گے اور بتائیں گے کہ جن امور کے باعث آج مقلدین حضرات اہلِ حدیث کو مطعون کرتے ہیں۔ جب آج سے ۹۰ سال قبل انہی امور پر بحث و نظر کا سلسلہ شروع ہوا تھا تو علمائے احناف نے کس طرح اہلحدیث کے مسلکِ حق کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔

غور فرمایئے کہ اتباع و خلافِ سنت جیسے مسئلہ میں، کفار کی عدالتِ عالیہ کے فیصلہ کو کس فخر و مسرت کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے! دوسرے یہ کہ ایک فرعی مسئلہ میں ان حضرات کی شدت کا یہ عالم ہے، اور اس کے باوجود دعویٰ یہ کہ یہ مکاتبِ فکر ہیں فرقے نہیں۔

اور سب سے دلچسپ یہ کہ مقالہ ختم ہو جانے کے بعد، (غالباً ادارہ کی طرف سے جلی حروف میں لکھا ہے۔

> اُمت ایک غیر منقسم وحدت ہے جسے فرقہ بندی اور انتشار سے محفوظ رکھنا سب کا اولین فریضہ ہے۔

اور اُمت کو فرقہ بندی اور انتشار سے محفوظ رکھنے کا طریقہ وہ ہے جسے مقالہ میں بیان کیا گیا ہے!
یا للعجب!

۳۔ فرقہ کی پہچان

فرقہ اہلِ قرآن کے ترجمان، 'بلاغ القرآن' کی نومبر۔ دسمبر ۱۹۷۶ء کی اشاعت میں، ایک سوال کے جواب میں کہا گیا ہے کہ:۔

> فرقہ بندوں کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے سے الگ مکتبِ فکر والوں کا نہ جنازہ پڑھتے ہیں اور نہ اپنی لڑکیوں کے رشتے دیتے ہیں۔ (ص۳۰)

بلاغ القرآن نے قصداً یہ نہیں لکھا کہ "نہ وہ دوسروں کے ساتھ مل کر نماز پڑھتے ہیں۔" کیونکہ اس کی زد، اور شدید ترین زد، خود ان پر پڑتی تھی جو حرم کعبہ میں بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر نماز نہیں پڑھ سکتے۔

با مَنا فقنت! نیری خیرہ

۴۔ کیسے دلچسپ ہیں یہ لوگ؟

جماعتِ اسلامی کے ترجمان۔ ہفت روزہ ایشیا کی ۲۸ نومبر ۱۹۷۶ء کی اشاعت کے اداریہ کا عنوان ہے۔ شریعت نافذ، لیکن جمعہ کی تعطیل نہیں ہو سکتی —— اس میں تحریر ہے۔

> محترم وزیراعظم نے بڑی تحدّی کے ساتھ اعلان کیا تھا کہ یہاں پر شریعت نافذ ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ کیسی شریعت نافذ ہے کہ جمعہ کی تعطیل بھی نہیں ہو سکتی۔

اس سے واضح ہے کہ ان حضرات کے نزدیک جمعہ کی تعطیل، شریعت کا لازمی جزو ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی تحریر ہے کہ:۔

> جمعہ کی تعطیل نظامِ شریعت کا ایک حصہ نہیں ہے لیکن یہ جمہوریہ اسلامیہ اور اس کی تہذیب و ثقافت کی ضروری علامت ہے۔

جمعہ کی تعطیل نظامِ شریعت کا حصہ بھی نہیں۔ لیکن اگر جمعہ کی تعطیل نہیں ہوتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں نظامِ شریعت نافذ نہیں! ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے!

اور سنیئے۔ اسی پرچہ میں، آگے چل کر "جمعہ یا اتوار" کے عنوان سے، سید عبدالقدوس ہاشمی صاحب کا ایک مقالہ درج ہے۔ اس میں تحریر ہے:۔

خدا اور رسولؐ کے حکم کے بموجب امتِ اسلامیہ کے ہر فرقہ اور جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ نمازِ جمعہ کے بعد کاروبار حرام ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے صریح حکم کی خلاف ورزی ہے۔

اور اس کے بعد، اگلی سطر میں کہا گیا ہے کہ:۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں بعد ختم نمازِ جمعہ کاروبار کرنے کی اجازت دی ہے۔

یعنی ـــــ اللہ تعالیٰ نے "بعد نماز" کاروبار کی اجازت دی ہے۔ اور ـــــ بعد نماز کاروبار حرام ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے صریح حکم کی خلاف ورزی ہے۔

شریعت کے ساتھ اس قسم کا مذاق، جماعتِ اسلامی کے لئے مخصوص ہے۔ خدا کا حکم تو واضح ہے کہ نماز سے پہلے بھی کاروبار کرو اور نماز کے بعد بھی۔ صرف نماز کے لئے کاروبار بند کرو۔

(سورۂ جمعہ - آیت نمبر ۹ - ۶۲/۹)

۵-...... را حافظہ نباشد

مؤقر جریدہ چٹان کی ۱۵ نومبر ۱۹۷۶ء کی اشاعت میں، مودودی صاحب کا ایک خط شائع ہوا ہے۔ جو انہوں نے کسی زمانہ میں آغا حشر کاشمیری (مرحوم) کے نام لکھا تھا۔ اس خط میں انہوں نے لکھا ہے:۔

علامہ اقبالؒ سے میری بس دو ہی ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ ایک اس زمانے میں جب مدراس سے پلٹتے ہوئے انہوں نے حیدرآباد میں اپنے مشہور چھ خطبات سنائے تھے۔ دوسری ۱۹۳۷ء کے آخر میں جب ان کے ارشاد پر میں نے پنجاب منتقل ہو جانے کا فیصلہ کیا۔

لیکن مودودی صاحب نے اپنے مکتوب مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۷۵ء میں (جو طلوعِ اسلام بابت اپریل ۱۹۷۶ء میں چھپ چکا ہے) فرمایا تھا کہ:۔

میں ۱۹۳۷ء کے ماہ اگست یا شاید ستمبر میں دو مرتبہ علامہ اقبالؒ مرحوم سے لاہور میں ملا تھا۔

پہلے خط میں لکھا ہے کہ ۱۹۲۹ء میں علامہ اقبالؒ سے ایک ملاقات ہوئی۔ اور دوسرے خط میں لکھا ہے کہ اگست یا شاید ستمبر ۱۹۳۷ء میں دو مرتبہ ملاقات ہوئی۔

جو عجب کہ تحقیق کے بعد پتہ چلے کہ ملاقات کا یہ سارا قصہ ہی فرضی ہے!

۶- امریکہ کے ساتھ یارانہ بہت پرانا ہے

طلوعِ اسلام بابت دسمبر ۱۹۷۶ء میں شائع شدہ مقالہ "پاکستان اور اسلام کے خلاف گہری سازش" میں (منجملہ دیگر امور) بتایا گیا ہے کہ جب (۱۹۵۵ء میں) حکومتِ پاکستان اور امریکہ کے تعلقات کا سوال ابھرا، تو مودودی صاحب نے حکومتِ امریکہ سے کہا تھا کہ تم اپنا مفاد چاہتے ہو تو پاکستان کے

حکمرانوں کے ساتھ معاملہ طے کرنے کی بجائے ان لوگوں سے بات کرو جن کا یہاں کے عوام پر اثر ہے۔ یہ بڑا جرأت مندانہ (خلافِ مملکت) اقدام تھا۔ اس پر اکثر گوشوں میں یہ تعجب انگیز سوال ابھرا کہ، کیا امریکہ کے ساتھ جماعتِ اسلامی کا ایسا گہرا اور قدیمی رابطہ تھا؟ اتفاق سے اس سوال کا جواب ہمارے سامنے ایک عینی شہادت کی رو سے آیا ہے۔ روزنامہ امروز میں ایک کالم ہے ـــــ ۲۴ سال پہلے ـــــ وہ اس میں ۲۴ سال پہلے کی چیدہ چیدہ خبریں شائع کرتے ہیں۔ اس جریدہ کی یکم دسمبر ۱۹۷۶ء کی اشاعت میں، یکم دسمبر ۱۹۵۲ء کی کچھ اہم خبریں درج کی گئی ہیں۔ ان میں ایک خبر یہ بھی ہے:۔

> امریکن سفارت خانہ کے پروفیسر، ڈاکٹر ویلر نے گورنمنٹ کالج میانوالی کے طلبا کو لیکچر دیئے۔ جن میں کمیونزم کی مخالفت تھی۔ ان کے ساتھ جماعتِ اسلامی لاہور کے راہ نما بھی آئے تھے۔ اور مقامی امیر مولانا گلزار احمد بھی تھے۔

یہ یکم دسمبر ۱۹۵۲ء کی خبر ہے۔ اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ اس جماعت کے امریکہ کے ساتھ تعلقات کس قدر قدیمی ہیں۔ اور اس سے آپ اس کا بھی اندازہ لگا لیجئے کہ مودودی صاحب کی جرأتیں کس برتے پر اس قدر بیباک تھیں کہ وہ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل اور ملتِ پاکستانیہ کی آنکھوں کے چشم و چراغ، قائدِاعظمؒ کے منہ پر کالک ملنے سے بھی نہیں جھجکتے تھے۔

۷۔ علمائے کرام کیوں الگ ہوئے تھے؟

محترم ابوسعید انور صاحب، تحریکِ پاکستان کے عینی شاہدوں میں سے ہیں۔ وہ گاہے بگاہے اس تحریک سے متعلق اخبارات میں لکھتے رہتے ہیں اور چونکہ وہ ان کی "دید" ہوتی ہے نہ کہ "شنید" اس لئے ان کے پیش کردہ واقعات اکثر و بیشتر حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۷۶ء کے نوائے وقت (لاہور) میں ان کا ایک مقالہ شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے۔ "تحریکِ پاکستان کو ناکام بنانے کے لئے بعض مسلمان جماعتوں کا کردار" اس میں انہوں نے مختصر الفاظ میں نیشنلسٹ علماء، آزاد کانفرنس، احرار، بنگال کی کرشک پرجا پارٹی، پنجاب کی یونینسٹ پارٹی، خدائی خدمتگار اور جماعتِ اسلامی کے متعلق بتایا ہے کہ انہوں نے کس طرح اس تحریک کی مخالفت کی۔ اس سلسلے میں انہوں نے جمعیت العلمائے ہند کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

> یہ حضرات ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں ایک مرحلہ پر مسلم لیگ سے پورا تعاون کرنے کے لئے تیار ہو گئے، مگر پھر کانگرس کے طرفدار ہو گئے۔ یہ کیوں ہوا۔ اس کی تفصیل جمعیت علمائے ہند کے لئے تکلیف دہ ہوگی اس لئے اس کا تذکرہ ضروری نہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ محترم ابوسعید انور صاحب کی یہ "رعایت" اصولِ وقائع نگاری کے مطابق نہیں۔ ایک مؤرخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ تاریخ لکھنے بیٹھے تو واقعات کو بےکم و کاست بیان کر دے خواہ وہ کسی کیلئے

تکلیف دہ ہی کیوں نہ ہو۔ نیشنلسٹ علماء مسلم لیگ سے کیوں الگ ہوئے تھے اس کا علم کم از کم اہلِ پاکستان کو ضرور ہونا چاہیئے۔ اس سلسلے میں محترم ایم۔ اے۔ ایچ۔ اصفہانی اپنی کتاب (Qaid-e-Azam Jinnah, As I Knew him) میں ۳۷-۱۹۳۶ء کے انتخابات کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:-

> پارلیمنٹری بورڈ کی میٹنگ میں ہماری قدیم روایت اور ہوسِ تقریر بازی کی کمزوری کے مطابق بہت سی تقاریر ہوئیں۔ اجلاس میں پہلے دن مفتی کفایت اللہ اور مولانا حسین احمد مدنی نے مسٹر جناح کی تائید کی اور ان کے اس اقدام کو خوش آمدید کہا کہ وہ مسلم لیگ کو زندہ تحریک کے میدان میں لے آئے ہیں۔ لیکن اجلاس کے آخری دن ان بزرگوں میں سے ایک صاحب نے یہ تجویز پیش کی کہ انتخابات لڑنے کے لئے لیگ کو وسیع پیمانے پر پروپیگنڈا کرنا پڑے گا۔ دیوبند اپنی پروپیگنڈہ مشینری کو لیگ کی تفویض میں دینے کے لئے آمادہ ہے بشرطیکہ اس کے جملہ اخراجات مسلم لیگ برداشت کرے۔ آغازِ کار کے لئے اندازاً پچاس ہزار روپیہ کا مطالبہ کیا گیا لیکن لیگ کے خزانہ میں تو اس زمانہ میں پچاس پیسے بھی نہیں تھے۔ لیگ کا صدر اور اس کا سیکرٹری اعزازی طور پر خدمات سرانجام دیتے تھے۔ ان مولانا صاحبان کو لیگ کی مالی پوزیشن کا اچھی طرح علم تھا۔ جناح صاحب نے اس کی وضاحت کی تو مولانا حضرات مایوس ہو گئے، اور لیگ سے نکل کر سیدھے کانگرس کی طرف چلے گئے اور اس کے حق میں پروپیگنڈہ شروع کر دیا کیونکہ کانگرس نے ان کا مطالبہ پورا کر دیا تھا۔ (صفحہ ۲۴-۲۳)

اور اس کے بعد ان علماء حضرات نے فتووں پر فتوے شائع کرنے شروع کر دیئے کہ تحریکِ پاکستان، اسلام کے خلاف ہے اور کانگریس کی حمایت عین خدا اور رسولؐ کے ارشاد کے مطابق۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس حقیقت کو تاریخ کے ریکارڈ پر ثبت رہنا چاہیئے تاکہ دنیا دیکھ لے کہ ان حضرات کے نزدیک دین کی قیمت کتنی ہوتی ہے۔

اور یہ تو صرف جمعیت العلماء کی نقاب کشائی ہے۔ کیا معلوم کہ تحریکِ پاکستان کی دیگر مسلم جماعتوں کے چہرے سے نقاب اٹھنے کے بعد کس کس قسم کے حقائق سامنے آئیں؟

قائدِ اعظمؒ کے متعلق

اور تو سب کچھ بتایا جائے گا لیکن یہ بہت کم بتایا جائے گا کہ انہوں نے اسلام، قرآن اور اسلامی مملکت کے متعلق کیا فرمایا تھا۔ ان کے یہ ارشادات، ایک پاکٹ سائز بک لٹ

قائدِ اعظمؒ اور طلوعِ اسلام

میں نہایت حسن و خوبی سے جمع اور مرتب کر دیئے گئے ہیں۔ اس قسم کا بیش بہا ذخیرہ آپ کو اور کہیں نہیں ملے گا۔ قیمت صرف چار روپے۔ (علاوہ محصول ڈاک)

ملنے کا پتہ:- (۱) ادارۂ طلوعِ اسلام۔ گلبرگ ۲، لاہور (۲) مکتبۂ دین و دانش۔ چوک اردو بازار لاہور

رابطۂ باہمی

بزمِ جام پور کی توثیق

حال ہی میں، جام پور (ضلع ڈیرہ غازی خاں) میں بزمِ طلوعِ اسلام کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ اراکینِ بزم نے اتفاقِ رائے سے، محترم بشیر احمد صاحب کو نمائندہ منتخب کیا ہے۔ ادارۂ طلوعِ اسلام اس بزم کے قیام اور نمائندہ مذکور کے انتخاب کی بمسرت توثیق کرتا ہے، اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ اس بزم کو توفیق عطا فرمائے کہ یہ قرآنی فکر کی نشر و اشاعت میں امکان بھر کوشش کرے اور اس کی کوششیں ثمر بار ہوں۔

بزم کا پتہ یہ ہے:- محترم بشیر احمد صاحب (نمائندہ) بلوچ جنرل اسٹورز۔ اڈہ روڈ۔ جام پور (ضلع ڈیرہ غازیخاں)

(ناظم۔ ادارۂ طلوعِ اسلام۔ لاہور)

یکم جنوری ۱۹۷۷ء سے طلوعِ اسلام کا سالانہ چندہ

(۱) پاکستانی خریدار ———————— -/۱۸ روپیہ

(۲) غیر ممالک — (بذریعہ بحری ڈاک۔ رجسٹرڈ) ———— ۳ پونڈ ———— -/۵۰ 〃

(۳) غیر ممالک —— (بذریعہ ہوائی ڈاک۔ رجسٹرڈ)۔ برائے :- ————

(۱) برطانیہ۔ فرانس۔ سوئٹزرلینڈ وغیرہ ---- -/۵۰ + -/۵۱ = -/۱۰۱ 〃

(۲) دبئی۔ بحرین۔ کویت۔ سعودی عرب وغیرہ —— -/۵۰ + -/۲۶ = -/۷۶ 〃

(۳) لیبیا۔ کینیا۔ یوگنڈا۔ جنوبی افریقہ ———— -/۵۰ + -/۴۶ = -/۹۶ 〃

(۴) امریکہ۔ کینیڈا وغیرہ ———————— -/۵۰ + -/۱۰۸ = -/۱۵۸ 〃

(۵) نیوزی لینڈ ———————— -/۵۰ + -/۸۲ = -/۱۳۲ 〃

نوٹ:- طلوعِ اسلام کے لئے جملہ رقوم مثلاً منی آرڈر، چیک، بینک ڈرافٹ وغیرہ صرف "ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام" کے نام بھیجی جائیں۔ کسی کے ذاتی نام سے کوئی رقم نہ بھیجی جائے۔ انگریزی زبان میں:-

(Manager, Idara Tolu-e-Islam, Lahore) لکھا جائے۔

ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام۔ گلبرگ ۲۔ لاہور

طلوع اسلام کنونشن ۱۹۹۵ء

عشقِ رسولؐ اور پرویزؒ

محمد ظہیر۔ کراچی

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰؐ است
آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰؐ است!

صاحبِ صدر و معزز خواتین و حضرات!

موضوعِ زیرِ نظر بظاہر آسان اور سہل معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ جناب پرویزؒ کی تمام تصنیفات، مضامین و خطابات اور "طلوعِ اسلام" کے فائل ذاتِ رسالتمآبؐ صلے اللہ علیہ وسلم سے جناب پرویزؒ کی عقیدت و محبت کے آئینہ دار ہیں۔ لیکن میرے لئے اس کا بیان کرنا بڑا ہی مشکل ہے۔ اوّل تو اس لئے کہ:

تا مداری از محمدؐ رنگ و بو
از درودِ خود میالا نامِ او

اور دوئم یہ کہ:

اس موضوع کا تعلق ایک فرد کے ذاتی جذبات و احساسات اور انتہائے عشق و مستی سے ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ بقول کسے، یہاں فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں۔

سامعین: ایک اسکالر، ایک مفکر، ایک محقق اور ایک عالمِ دین، متعدد کتب موضوعاتِ مختلفہ پر تصنیف کرتا ہے، سینکڑوں مضامین و مقالات دنیائے علم و ادب کے سامنے پیش کرتا ہے، قرآنِ حکیم میں مذکور انبیائے کرامؑ کے حالات، اربابِ بصیرت اور اصحابِ فکر و نظر کی بارگاہ میں تحریر کر کے لاتا ہے۔ لیکن جب یہی مفکر اس مقامِ عشق میں پہنچتا ہے، تو وہ پکار اٹھتا ہے کہ:

میقات پر پہنچ کر ہر زائرِ حریمِ اقدس کا ولولۂ شوق تیز اور راحلۂ ذوق عنان گسیختہ ہو جاتا ہے کہ منزل کا قرب اور عیدِ نظارہ کی کشش اس کے رگ و پے میں بجلیاں بھر دیتی ہے۔ لیکن اس مقام پر میرا یہ عالم ہے کہ ذوق و شوق کی تمام برق آسا بے قراریاں اور جذب و کیف کی والہانہ سرمستیاں یکسر حیرت بن گئیں کہ یہ وہ مقام ہے جہاں کا ذرّہ ذرّہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ:

ادب گاہیست زیرِ آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ اینجا!

(معراجِ انسانیت از علامہ پرویزؒ۔ فاتحۃ الکتاب)

بہرحال ہمت کر کے ہم لرزتے ہوئے قلم اور کپکپاتے ہونٹوں کے ساتھ اس وادی میں اُترتے ہیں۔
حضرات! پرویز صاحب دام برکاتہم العالیہ کا ملتِ اسلامیہ پر بالعموم اور ملتِ پاکستانیہ پر بالخصوص یہ احسان ہے کہ آپ نے، عمر بھر کے تدبّر و تفکر فی القرآن کے بعد حضور سرورِ عالم کی حیاتِ طیبہ کو اس کے حقیقی خط و خال میں، قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ اتنا ہی نہیں محترم موصوف نے اپنوں یا غیروں کی جانب سے دانستہ یا نادانستہ طور پر رسولِ عربیؐ کی ذاتِ والا صفات کی جانب منسوب واقعات و نظریات و اعتراضات کو قرآن حکیم اور عقل و بصیرت پر مبنی قطعی دلائل و براہین سے باطل اور غلط ٹھہرایا ہے۔ نیز آپ نے حضورؐ کی عائلی، معاشرتی، تمدنی اور سیاسی زندگی کے ہر ہر پہلو کو ایسے دلنشیں انداز میں پیش کیا ہے جس سے ہر ذی ہوش اور حساس انسان کے دل میں اس ذاتِ اقدس و اعظم کا حقیقی احترام اور لازوال محبت جاگزیں ہو جاتی ہے۔ اور وہ پکار اٹھتا ہے کہ اگر قرآن کریم حروف و نقوش کی صورت میں شرفِ انسانیت کی انتہائی بلندیوں کا ترجمان ہے تو سیرتِ محمدیہ ان ہی بلندیوں کا چلتا پھرتا حسین پیکر اور دنیا میں قرآن کی تفسیرِ ناطق ہے۔
یہ تو خیر پھر بھی بعد کی بات ہے۔ موصوف نے عنفوانِ شباب ہی میں تحفظِ ناموسِ رسالت کے سلسلہ میں اپنے دوسرے ساتھیوں سے مل کر اپنے قصبہ بٹالہ میں ایک انجمن "انجمن شباب المسلمین" کے نام سے قائم کی۔ جس کے قیام کا مقصد مرزائیوں کے خلاف اجتماعات کا انعقاد تھا۔ جو (قریب قریب) سال بھر منعقد ہوتے رہتے تھے حتیٰ کہ خود قادیان جا کر بھی ان جلسوں کا انعقاد عمل میں لایا جاتا تھا۔ اس جلسے میں ہندوستان بھر کے جیّد علماء و مناظر (بالخصوص علمائے دیوبند) شرکت کرتے تھے۔

تحفظِ ختمِ نبوّت

۱۹۲۶ء میں (سابق ریاست) بہاولپور کی ایک عدالت میں ایک مسلمان خاتون نے یہ دعویٰ دائر کیا کہ اس کا خاوند مرزائی ہو جانے کی وجہ سے مرتد ہو گیا ہے، اس لئے اس کے ساتھ مدعیہ کے نکاح کی تنسیخ کر دی جائے
یہ مقدمہ قریب نو سال تک چلتا رہا، بالآخر ۷ رفروری ۱۹۳۵ء کو اس کا فیصلہ محترم محمد اکبر ڈسٹرکٹ جج ضلع بہاولنگر نے سنا دیا۔ اس فیصلہ میں فاضل جج نے لکھا تھا کہ جس نکتہ پر فیصلہ کا مدار تھا، وہ یہ تھا کہ مقامِ نبوت کیا ہوتا ہے اور نبی کی تعریف (DEFINITION) کیا ہے؟
یہ نکتہ حل نہیں ہو رہا تھا کیونکہ نبی کی کوئی قابلِ اطمینان تعریف پیش نہیں کی جا رہی تھی۔ ——— اس دشواری کا تفصیل

تذکرہ کرنے کے بعد انہوں نے لکھا کہ :-

آخر کار ایک رسالہ میں ایک مضمون، بعنوان —— میکانکی اسلام —— از جناب چوہدری غلام احمد صاحب پرویز میری نظر سے گزرا۔ اس میں انہوں نے مذہبِ اسلام کے متعلق آج کل کے "روشن ضمیر" طبقہ کے خیالات کی ترجمانی کی ہے اور پھر خود ہی اس کے حقائق بیان کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں نبوت کی جو حقیقت انہوں نے بیان کی ہے میری رائے میں اس سے بہتر اور کوئی بیان نہیں کی جا سکتی اور میرے خیال میں فریقین میں سے کسی کو اس پر انکار بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میں ان کے الفاظ میں اس حقیقت کو بیان کرتا ہوں۔

اس کے بعد انہوں نے جنابِ پرویز کے محوّلہ بالا مضمون کے مندرجات تحریر کئے ہیں اور آخر میں فیصلہ یہ دیا کہ :-

مدعا علیہ، قادیانی عقائد اختیار کرنے کی وجہ سے مرتد ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح تاریخِ ارتدادِ مدعا علیہ سے فسخ ہو چکا ہے۔

(ختمِ نبوت اور تحریکِ "احمدیت" از علامہ پرویز پہلا باب صفحہ ۱۶ تا ۲۰)

(نیز ماہنامہ طلوعِ اسلام۔ اکتوبر ۱۹۷۶ء۔ لمعات)

ضمناً یہ عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ "احمدیوں" کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ سب سے پہلے حکیم الامت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال علیہ الرحمۃ نے کیا اور "احمدیوں" کو عدالت کی جانب سے غیر مسلم اور مرتد قرار دیئے جانے کا سبب جناب پرویز کا ایک مضمون تھا۔

بہرحال ان ہر دو حضرات کی کوششوں، جنابِ پرویز کی متعدد نگارشات (مثلاً معراجِ انسانیت، سلیم کے نام کے متعلقہ مضامین، ختمِ نبوت پر مضامین و مقالات، وغیرہ) کی صدائے بازگشت اور ملّتِ اسلامیہ کے متفقہ مطالبہ پر حکومتِ پاکستان نے "احمدیوں" کو غیر مسلم قرار دیا تو پرویز صاحب کو اس سے کس قدر مسرت حاصل ہوئی، یہ آپ مجھ سے نہیں، ان ہی کی زبانی سنیئے —— وہ فرماتے ہیں کہ :-

۸ ستمبر (اتوار) کی صبح جب میں اپنے ہفتہ واری درسِ قرآنِ کریم کیلئے بیٹھا تو یہ الفاظ بے ساختہ میری زبان پر آ گئے۔

عزیزانِ گرامی قدر!

آج کا دن میری زندگی کا مبارک ترین، شاداب ترین، حسین ترین دن ہے کہ آج میرا عمر بھر کا مشن تکمیل کی منزل تک پہنچ گیا۔ تحفظِ ناموسِ رسالتؐ جسے ختمِ نبوت سے تعبیر کیا جاتا ہے، میرے ایمان کی بنیاد اور میری زندگی کا

مقصد رہا اور ہے۔ الحمد للہ، کہ میری یہ آرزو پوری ہوئی، میرا یہ مقصد اس شکل میں حاصل ہوا کہ مملکتِ پاکستان نے آئینی اور قانونی رو سے فیصلہ کر دیا کہ ختمِ نبوت کا منکر مسلمان قرار نہیں پا سکتا۔ اُسے اُمتِ محمدیہ کا فرد تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ میرے لئے یہ دن بارگاہِ ایزدی میں ہزار ہا سجدۂ تہنیت و تشکر پیش کرنے کی ساعتِ سعید ہے۔

("لمعات" ماہنامہ طلوعِ اسلام۔ اکتوبر ۱۹۷۴ء)

صاحبِ صدر! میں نے اپنے مقالہ کے آغاز میں کہا تھا کہ پرویز صاحب نے جس طرح واضح اور بیّن، اجاگر اور نکھار کر ہمارے سامنے سیرتِ محمدیہ کو پیش کیا ہے تو موصوف کا ہم پر یہ عظیم احسان ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر قلبِ پرویز میں عشقِ مصطفٰےؐ جاگزیں نہ ہوتا تو ؎

گر عشق نبودے و غمِ عشق نبودے — اینہا سخنِ نغز کہ گفتے، کہ شنودے

ہم اُن کے اس احسان سے محروم رہتے، بلکہ آج فکر و نظر کی یہ بلندی اور اسلام کی یہ واضح تصویر ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوتی اور انسانیت کو اپنے مقامِ بلند کی شناسائی کے لئے سالہا کسی دانائے راز اور چمن کو ہزار ہا برس کسی دیدہ ور کا انتظار کرنا پڑتا اور اس سے جو نقصان و خسران کاروانِ انسانیت کو برداشت کرنا پڑتا، اس کے تصور سے ہی ہر راہرو منزل کا قلبِ سلیم ناامیدیوں اور مایوسیوں کا مسکن بن جاتا۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ:۔

جنابِ پرویز لاؔ کی منزل سے گزر رہے تھے اور اِلّاؔ ہنوز اُن کے سامنے نہیں تھا — اس منزل کی روداد بیان کرتے ہوئے وہ اپنی عظیم شاہکار تصنیف "شاہکارِ رسالت" کے گذرگاہِ خیال میں رقم طراز ہیں:۔

ان حالات میں عین ممکن تھا کہ میں اسلام ہی سے برگشتہ ہو جاتا۔ (لیکن میری انتہائی خوش بختی کہ) اس ورطۂ لاؔ میں ایسا جاذبہ موجود رہا، جو ان تلاطم خیزیوں میں میری کشتی کا لنگر بن گیا۔ اور وہ جاذبہ تھا حضور نبی اکرمؐ کی ذاتِ اقدس و اعظمؐ کے ساتھ میری بے پناہ عقیدت ہی نہیں محبت۔ میرا ایمان تھا کہ ایسی عظیم ہستیؐ جس نے انسانوں کی داخلی اور خارجی دنیا میں ایسا تحیّر انگیز انقلاب برپا کر دیا تھا، نہ تو (معاذ اللہ) فریب خوردہ ہو سکتی ہے، نہ فریب کار۔ اس لئے جب آپؐ نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید نہ میری، نہ کسی اور انسان کی فکری تخلیق ہے بلکہ یہ خدا کا کلام ہے تو مجھے اس دعویٰ کو یونہی نہیں جھٹک دینا چاہیئے۔ انتظار کرنا چاہیئے۔ تاآنکہ میں قرآن کو خود سمجھنے کے قابل ہو جاؤں۔ بس یہ تھا ایک سہارا (اور کس قدر محکم سہارا) جس نے مجھے ان طوفانوں میں تھامے رکھا اور میرے پاؤں

میں لغزش نہ آنے دی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس سے کم کشش کی کوئی قوت مجھے اس ورطہ میں سنبھال نہیں سکتی تھی آج ہے ؎

تند و سبک تیز ہے گرچہ زمانے کی رو　　عشق خود ایک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام

کس قدر احسانِ عظیم ہے اس ذرۂ ناچیز پر اس آفتاب عالمتاب کا کہ اس کی رحمۃ اللعالمینی کے تصدق مجھے منزل ملی، مقام ملا، مدعا ملا ؎

کوثر چکد از لبم، بایں تشنہ لبی　　خاور دمد از شبم، بایں تیرہ شبی

اے دوست، ادب، کہ در حریم لی اللہ است　　شاہنشہِ انبیاء، رسولِ عربی

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (۳۳/۵۶)

تحفظِ ناموسِ رسالتؐ

جنابِ پرویز نے اپنی پوری زندگی حفاظتِ قرآن کریم اور تحفظِ ناموسِ رسالت کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ اس سلسلہ میں دو ایک مثالیں پیش کرتا ہوں۔

تقسیم ہند سے بہت پہلے کا ذکر ہے امریکہ کے ایک دریدہ دہن اخبار نے حضور ختمی مرتبت سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس کے متعلق نازیبا الفاظ استعمال کئے جس کے خلاف سر عبدالحلیم غزنوی صاحب نے اسمبلی میں تحریکِ التوا پیش کی تھی۔ ۷ر نومبر ۱۹۴۱ء کے طلوعِ اسلام کے صفحہ ۵۰، ۵۱ پر پرویز صاحب لکھتے ہیں:-

> دنیا کو شاید معلوم نہیں کہ ایک مسلمان کے نزدیک جس کے دل میں ایمان کی کوئی کرن موجود ہے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت کیا ہے؟ وہ ذاتِ گرامی (فداہ امی و ابی) جن پر ایمان ہمارے لئے باعثِ نجات و سعادت اور جن کی محبت سرمایۂ زندگی و متاعِ حیات ہے، ہمارے نزدیک معراجِ انسانیت کا مظہر اتم اور دنیا و آخرت کی بلند ترین سرفرازیوں کا پیکرِ مقدس ہے۔ اس ذاتِ فخرِ موجودات کی شان میں نازیبا الفاظ تو کجا، ہم تو ان کوچوں اور گلیوں کی توہین بھی برداشت نہیں کر سکتے جن کے ذرات کو اس پیکرِ رفعت و عظمت کی کفش بوسی کی سعادت نصیب ہو گئی۔ خوشا بخت ہیں وہ راہیں جن میں وہ شمعِ فروزاں ضیا بار و جلوہ ریز ہوتی۔ اور زہے نصیب خاک کے ان ذرّوں کے جو ان درخشندہ و تابناک نقوشِ قدم کے چومنے سے آسمان کی بلندیوں پر پہنچ گئے۔

دنیا کیا جانے کہ اس پیکرِ محبوبیت کے ساتھ ہمارے قلوب کا کیا رشتہ ہے!..... ایک زندگی کیا ہزار بار زندگی نصیب ہو اور ہزار بار اس شہنشاہِ کونینؐ کی ناموس پر نچھاور ہو جائے تو پھر بھی دل کی تمنّا بر نہ آئے۔ جس سینے میں عشقِ رسولؐ کا سوز نہیں وہ سینہ نہیں، بدبختیوں اور تاریکیوں کا قبرستان ہے۔ جس دل میں ناموسِ محمدؐ پر مر مٹنے کی تمنّا نہیں وہ دل نہیں، بوم و کرگس کا وحشت انگیز کاشانہ ہے!

لیکن غلام کا عشق کیسا اور محکوم کی تمنّا کیسی؟

تحفظِ ناموسِ رسولؐ گداگری کے اجتماعات سے نہیں ہو سکتا۔ جماعت کی قوت سے ہو سکتا ہے وہ قوت جس کے ضعف کا باعث خود جناب عبدالحلیم غزنوی بنے۔ ہم اپنے بھائی سے ناموسِ رسالتؐ کے نام پر اپیل کریں گے کہ وہ اپنی انفرادی روش کو چھوڑ کر پھر سے جماعت میں آ ملیں اور یوں ریت کے بکھرے ہوئے ذرّوں کو ایک ایسی محکم چٹان بنا دیں کہ مخالفت و ناسازگاری کی جو موج اس سے ٹکرائے، پاش پاش ہو جائے۔ اس وقت ہم دیکھیں گے کہ کس کی ہمت پڑتی ہے کہ وہ شہنشاہِ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام تو کجا، اُن کے کسی ادنیٰ غلام کی طرف بھی آنکھ اٹھا کر دیکھ جائے ؎

افرنگ زخود بے خبرت کرد وگرنہ
اے بندۂ مومن تو بشیری تو نذیری

(بحوالہ ماہنامہ طلوعِ اسلام نومبر ۱۹۶۷ء، مضمون: "لندور پاکستان" اور عالمانِ زنار پوش سے اظہارِ عقیدت)

ماہنامہ طلوعِ اسلام مارچ ۱۹۶۲ء کے لمعات کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

آبروئے ما زنامِ مصطفٰےؐ است

مؤقر جریدہ "ڈان" (اور اس کے بعد دیگر جرائد جنہوں نے اس سلسلہ میں کچھ لکھا ہے) ملتِ اسلامیہ کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے قوم کی توجہ ایک ایسے خطرہ کی طرف مبذول کرائی ہے جو اگر (خدانکردہ) معرضِ وجود میں آ گیا تو اس کے نتائج ہولناک، روح فرسا اور قیامت خیز ہوں گے، جن کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے اور جو دنیا کے طول و عرض میں بسنے والے کروڑہا مسلمانوں کے دلوں کو وقفِ اضطراب کر دیں گے وہ خبر، جسے ہم دل پر پتھر رکھ کر شائع کرنے کی ہمت کر رہے ہیں۔

بعد ازیں اٹلی اور امریکہ کی دو فلم کمپنیوں کی آنحضرتؐ کی زندگی کو فلمانے کی تیاریوں کی (نوائے وقت

۱۰ فروری ۱۹۶۲ء شائع کردہ) خیر ہے۔ اس کے بعد لمعات میں لکھا گیا۔

جہاں تک غیر مسلموں کا تعلق ہے وہ اس کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتے کہ ہم مسلمانوں کے نزدیک حضورؐ ختمی مرتبت (فداہُ ابی و امی) نبی اکرمؐ کے شرف و مجد کا مقام بلند و بالا کیا ہے اور ہمارے قلوب میں اس ذاتِ گرامی کی رفعت و عظمت کس شدت کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ (غیر مسلم اقوام) جانتی ہی نہیں کہ ایک نبیؐ کا صحیح مقام کیا ہوتا ہے اور وہ کس طرح اپنے متبعین کی زندگی کا جزو بن چکا ہوتا ہے، جزوِ زندگی ہی نہیں بلکہ زندگی سے بھی عزیز۔ ماں باپ، بہن بھائی، اعزہ، اقارب، مال و دولت، غرضیکہ دنیا کے حلیب سے حبیب تر رشتہ اور عزیز سے عزیز تر متاع سے کہیں زیادہ حبیب اور عزیز —— اور یہ چیز کسی فرد کے ذاتی جذبات کی نہیں بلکہ قرآنِ کریم کی رو سے مومن ہونے کی شرط ہے، کیونکہ اس کا ارشاد ہے کہ،

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ
وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ (۳۳/۶)

مومنین کو نبی سے، اپنی جان سے بھی زیادہ لگاؤ ہے
اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

طلوعِ اسلام نے اپنے ان لمعات میں اس بدعتِ ضالہ کی زبردست دلائل و براہین سے تردید کی۔ ملتِ مسلمہ سے اتحاد و اتفاق اور اس کے خلاف احتجاج کی دردمندانہ اپیل کی گئی اور آخر میں حکومت سے کہا گیا کہ:-

اگر حکومت وقتاً فوقتاً بتاتی رہے کہ اس ضمن میں کیا کچھ ہو رہا ہے تو وہ ہمارے جیسے کروڑوں مضطرب قلوب کے لئے وجہِ شکیبائی اور باعثِ صد تشکر و امتنان ہوگا۔

سامعینِ گرامی قدر! یہ ہے وہ شخصیت جس کے متعلق یہ مشہور کیا جاتا ہے کہ وہ "منکرِ حدیث" ہے "منکرِ شانِ رسالت" ہے۔ یہ سب جھوٹا پروپیگنڈہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پرویز صاحب نہ تو منکرِ حدیث ہیں اور نہ ہی (نعوذ باللہ) منکرِ شانِ رسالتؐ۔ بلکہ انسانیت کے اس محسنِ اعظم محمدؐ الرسول اللہؐ کے عاشق و شیدا ہیں۔ اور اپنی جان و مال اور اپنے خون کا ایک ایک قطرہ آپؐ پر نثار کرنا اپنی سعادت و خوش بختی سمجھتے ہیں۔ ان کی تو کیفیت یہ ہے کہ اگر رسولؐ اللہ کا اسمِ گرامی ضمناً بھی کسی کی زبان پر آ جائے تو پرویز کی آنکھوں کے پیمانے لبریز ہو کر چھلکنے لگ جاتے ہیں۔

البتہ اتنا ضرور ہے کہ وہ ہر ایسی روایت کو وضعی اور جعلی قرار دیتے ہیں جس سے ذاتِ رسالتمآبؐ کی شانِ اقدس یا قرآنِ حکیم پر زد پڑتی ہو۔

وہ تو یہاں تک کہا کرتے ہیں کہ:۔

نما کشیدہ دست از قلم کشید خدا

جناب پرویز کی بارگاہِ رسالتؐ میں عظیم پیش کش "معراجِ انسانیت" عشق و خرد کا حسین امتزاج ہے۔ اس کے ایک دو اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

اے ظہورِ تو شبابِ زندگی

خدائے جلیل نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا، آخری مرتبہ کہہ دیا۔ شرفِ انسانیت کی تکمیل کے لئے جو قوانین دیئے جاتے تھے وہ اپنی انتہائی شکل میں دے دیئے گئے۔ اس کے بعد انسان کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے نہ کسی دوسری مشعلِ راہ کی ضرورت اور نہ کسی اور ہادیٔ طریقت کی احتیاج رہی۔ اب انسانیت کے مقامِ بلند تک پہنچنے کے لئے وہی ایک صراطِ مستقیم ہے جس پر اس ذاتِ اقدس و اعظمؐ کے نقوشِ قدم جگمگ جگمگ کر رہے ہیں۔ اور جنہیں دیکھ کر ہر دیدہ ور پکار اٹھتا ہے کہ:۔

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بند و راہِ مصطفےٰ رو

مقامِ محمودیت:۔ یہ واقعہ نفس الامری کا اظہار ہے کہ دنیائے انسانیت میں آج جو کچھ قابلِ حمد و ستائش اور در خورِ تحسین و تبریک نظر آتا ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ وہ بالواسطہ یا بلا واسطہ ایک نسبت رکھتا ہے ذاتِ محمدؐ الرسول اللہ سے اور جو انسان چاہتا ہے کہ وہ درخورِ حمد و ستائش ہو جائے وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اسی کوشش میں ہے کہ اس راستے پر چل نکلے جو سیرتِ محمدیہ نے دنیا میں متعین کر کے دکھایا:۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آنکہ از خاکش بر وید آرزو
یا ز نورِ مصطفےٰ اورا بہا است
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفےٰ است

✲

قسط اوّل

بزمِ مذاکرہ

(طلوعِ اسلام کنونینشن ۱۹۷۶ء)

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

صدارت:-
نشست اوّل :- محترمہ مسز ظفر سعید صاحبہ (لاہور)
نشست دوم :- محترمہ مسز رضا علی صاحبہ (کراچی)

شرکاءِ مذاکرہ
(حسبِ ترتیب شرکت)

۱ - خالدہ سرور (ہفتم)
۲ - راشد اقبال (نہم)
۳ - نوید الطاف (ہفتم)
۴ - سلمیٰ لطیف (سالِ اوّل)
۵ - ثریا محمد لبیب
۶ - ظہیر احمد
۷ - صالحہ نعمی (ایم-ایس-سی-سالِ اوّل)
۸ - مقبول الٰہی (بی-ایڈ)
۹ - شوکت پرویز (ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ)
۱۰ - تحمینہ فاروقی (ایم-اے)
۱۱ - محمد احمد (ایل-ایل-بی)
۱۲ - عبدالقیوم مجتبائی (آئی-اے-سالِ اوّل)
۱۳ - فوزیہ سرور - گوگی ملانی - (ایک اسٹوڈنٹ کی تقریر)
۱۴ - فرزانہ (بی-اے)
۱۵ - نجمہ صفدر (بی-اے)
۱۶ - سلمیٰ پرویز (ایم-اے)

(قسط اوّل)

۱- خالدہ سرور

قابلِ صد احترام بابا جی! صدرِ گرامی قدر اور معزز حاضرین

پہلے تو آپ بندۂ مومن کے اس عروج و بلندی کا تصوّر کیجئے جو رسولِ اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ اور خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں اسے حاصل ہوا۔ پھر اس زوال و پستی کو دیکھئے جو آج نظر آ رہی ہے۔ اور اب سوچئے کہ کیا وجہ ہے کہ ؎

تن بہ تقدیر ہے آج ان کے عمل کا انداز!
تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر

اور اس بندۂ مومن کا ہاتھ جو خدا کا ہاتھ تھا۔ جس ہاتھ نے اس کے نظامِ ربوبیت کو قائم کرنا تھا وہ ہاتھ آج اپنا پیٹ بھرنے کے لئے دوسروں کے آگے پھیلا ہوا ہے۔ یہ نوبت آخر کیوں آئی؟ کیا اس سرزمین پر سورج نے چمکنا چھوڑ دیا ہے؟ ہواؤں نے اپنے رخ بدل دیئے ہیں؟ دریاؤں کی روانی تھم گئی ہے؟ زمین کے سوتے خشک ہو گئے ہیں؟ دھرتی نے اپنے سینے سے فصلوں کا سونا اگلنا بند کر دیا ہے؟ جب یہ سب کچھ ویسے ہی ہے۔ تو پھر یہ کیوں ہے؟ کہ "بندۂ مولا صفات" کا وہ ہاتھ جو

غالب و کار آفریں۔ کار کشا۔ کارساز

تھا، آج اپنے حال و مستقبل کے ہر کام، ہر منصوبے کے لئے غیروں کا محتاج ہے۔ اور محتاجی کی زندگی جو گل کھلاتی ہے ہماری زبوں حالی سے بڑھ کر اس کی خوفناک تصویر اور کیا ہو گی؟

میں اخبار میں اکثر اُس امداد کا ذکر دیکھتی ہوں جو مختلف ترقی یافتہ ممالک کی طرف سے پس ماندہ مسلم ممالک کو دی جاتی ہے۔ یہ امداد مالی بھی ہوتی ہے۔ فنی بھی۔ تعلیمی، سائنسی اور تربیتی بھی۔ اِن خیراتی خبروں کو پڑھ کر آپ یقین کیجئے مجھے یہی محسوس ہوتا ہے کہ جو انسان آج کل اُن ممالک میں پیدا ہو رہے ہیں صرف ان کو اللہ تعالیٰ نے آنکھ۔ ناک۔ کان۔ دماغ وغیرہ عطا کر رہا ہے۔ اور دماغ اور ذہن تو دور کی بات ہے۔ بے چارے مسلمان تو جیسے دست و پا سے بھی عاری ہیں۔ بُرا مت مانیئے —— ذرا ٹھنڈے دل سے دیکھئے، یہ امداد کیا قومی سطح پر ویسی ہی بھیک نہیں جو آپ سڑک پر جاتے ہوئے نہایت مہربانی سے بے دست و پا لوگوں کو عنایت کرتے ہیں؟ —————— اس قومی بھیک کو قبول کرنے کے لئے اپنی مفلسی اور بے زری کی آڑ لی جاتی ہے۔ اور اس زوال کو بھی اسی بے زری کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ بات یہ نہیں ہے۔

میرے محترم بزرگو! اگر مومن کے زوال کی یہی حقیقت ہوتی تو جس دن میرے حضور سرورِ کونینؐ مکہ سے بے گھر ہو کر مدینہ کی طرف جا رہے تھے اُن کے ساتھ زر و جواہر کے کونسے خزانے تھے جن

کی مدد سے آسمان و زمین نے مومن کا وہ عروج دیکھا جسے دیکھنے کے لئے زمانے کی آنکھ ترس گئی ہے۔ اگر یہ مفلسی اور بے زری مومن کے راستے کا روڑا ہے تو جب قائداعظمؒ آپ کے اس آشیاں کو حاصل کرنے کے لئے چاروں طرف سے دشمنوں اور مصائب کی یلغار کا مقابلہ کر رہے تھے، ان کے پاس سامان حرب اور دولت و مایہ کے کونسے انبار تھے۔

اور دُور کیوں جائیے۔ جب آپ کا یہ طلوع اسلام ۱۹۳۸ء میں ہندوستان بھر کے بلند پایہ عمامہ پوش علماء کے جمّ غفیر کا تنہا مقابلہ کر رہا تھا، کانگرس کے تمام فنڈ اُن کی تحویل میں تھے۔ اور اس کے پاس، اللہ کے نام کے سوا کونسا خزانہ تھا؛ لیکن جس طرح اِس بے ساز و سامان نے ان کا مقابلہ کیا، بلکہ انہیں چاروں شانے چت گرا کر بےبس کیا۔ وہ آپ کے سامنے ہے۔

تو پھر میرے محترم بزرگو! اِس زوالِ بندۂ مومن کا سبب کیا ہے؟

وہی جسے آپ سب خوب سمجھتے ہیں۔

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اِس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

اگر اس سبب کی وضاحت چاہیں تو یہ صدیوں کی تاریخ پہ پھیلا ہوا ہے۔ ہماری خلافتِ راشدہ کے بعد سے اب تک کی تاریخ پر۔ سارے شرق و غرب پر پھیلے ہوئے مسلم کی تاریخ پر۔ اور اگر قرآن کے الفاظ میں سمٹا کر لکھ دیں تو صرف اتنا کہ:-

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ط (۳/۸۵)

بھلا خدا کا قانون اس قوم پر کس طرح عروج و ارتقاء کی راہیں کھول دے جو اِس قانون کے درخشندہ نتائج پہ ایمان لانے کے بعد اس سے عملاً انکار کر دے۔

علامہ اقبالؒ کی زبان میں یوں سمجھ لیں کہ :-

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

جب ہم نے قرآن کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ اُس کو اُس کے اصل مقام سے ہٹا دیا۔ تو پھر ہمیں بھی اُس مقام سے ہٹا دیا گیا جس مقام پہ ہم قرآن پر عمل کر کے پہنچے تھے۔

اسی قرآں میں ہے اب ترکِ جہاں کی تعلیم
جس نے مومن کو بنایا مہ و پروین کا امیر

مہ و پروین کا امیر بننے کے لئے تو اللہ کی اسی رسّی کو مضبوطی سے تھام کر زندگی کو اُسی راستے پر اجتماعی حیثیت سے چلانا ہوگا۔ پھر آپ دیکھئے آپ کے رب کا یہ وعدہ کیسے پورا ہوتا ہے۔

وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ - (۳/۱۳۸) والسّلام

۲- راشد اقبال

پیارے باباجی - محترم صدر صاحب اور میرے عزیز رفیقو!

بے فوری کوئی سبب نہیں کہ جس سے ایک قوم کا زوال شروع ہو سکے۔ سبب بلکہ اسباب تو اتنے ہیں کہ گنے بھی نہیں جا سکتے۔ اور جنہیں آپ سمجھتے ہوئے بھی نہیں سمجھتے۔ کیا اس معاشرے میں ۱۹۴۷ء کے بعد آج تک کوئی تبدیلی ہوئی؟ پاکستان بننے سے پہلے ہر مسلمان کے دل میں یہی تھا کہ پاکستان؛ جہاں ایک مثالی معاشرہ قائم ہونے والا ہے۔ ہر شخص کی اپنی عزت اور اپنا معیار ہوگا۔ جہاں رشوت، چوری، بلیک مارکیٹنگ۔ ذخیرہ اندوزی نہیں ہوگی۔ مگر پاکستان بننے کے بعد ہزاروں جانیں دے کر ہمیں جو معاشرہ ملا۔ وہ ایسا معاشرہ تھا جہاں بنگلے۔ کاریں اور ناجائز الاٹمنٹوں سے حاصل کی ہوئی جائدادیں۔ عزت اور شرافت کا معیار ٹھہریں۔ آج تک اس معاشرے کی بہبود کے لئے کسی نے کچھ کیا.....؟

اگر کچھ کیا تو ذاتی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا۔ مگر میں بات ان کی کرنا چاہتا ہوں۔ جن کے پاس زر و دولت کی ریل پیل ہے۔ اور جو تیسری دنیا والے کہلاتے ہیں۔ ان کے پاس تو اتنی دولت ہے کہ اپنے ملک کے بینک بھی نہیں سمیٹ سکتے۔ اور امریکہ کے بینکوں پر بھی ایک بھاری بوجھ ہے۔ مگر حکومت امریکہ کے لئے یرغمال کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کے پاس اتنی دولت ہونے کے باوجود کیا عرب ممالک میں سے کوئی بھی تیل کے سوا کچھ اور برآمد کرتا ہے؟ یہ اپنا سارا اسلحہ امریکہ سے خریدتے ہیں۔ کیا یہ اسلحہ ساز فیکٹریاں نہیں بنا سکتے؟ کیا یہ اپنے معاشرے کو زر کی بنیاد پر تعمیر نہیں کر سکتے؟ کیا یہاں ایک ڈرامہ دو بار نہیں کھیلا گیا؟ کیا یہ لارنس اوف عربیا کو اپنی تاریخ اور کسینجر کو اپنا حال نہیں کہتے؟ کیا کسینجر نے ان میں پھوٹ نہیں ڈال دی؟ کیا لبنان اسلامی دنیا کے لئے ایک مسئلہ نہیں بن گیا؟

مگر محترم صدر! تصویر کے دونوں رخ ایک جیسے نہیں ہوتے۔ کیا فلسطینیوں کے پاس زر ہے۔ کیا ان کے پاس دولت ہے۔ کیا ان کے پاس ہیرے جواہرات ہیں۔ کیا ان کے پاس اسلحہ ساز فیکٹریاں ہیں۔ کیا یہ خود کار اسلحہ خود بناتے ہیں۔ کیا ان کے پاس اپنا ملک ہے۔ اور اگر یہ اسلحہ خریدتے ہیں تو کیا ان کے پاس زر مبادلہ ہے۔ مگر ان میں وہ صلاحیتیں موجود ہیں جو ایک مرد کارزار میں ہونی چاہئیں۔ ان میں اتحاد ہے۔ ان میں ہر شخص کا معیار جانچنے کی صلاحیت ہے۔ ان میں انسانیت کی عظمت کو سمجھنے کی صلاحیت ہے۔ ان میں سچائی قبول کرنے کی صلاحیت ہے۔ ان میں غیرت ہے۔ ان میں ماں کو ماں، بہن کو بہن اور بیٹی کو بیٹی سمجھنے کی صلاحیت ہے۔ ان میں ابھی جہاد کی چنگاری بجھی نہیں۔ وہ ان کے جال میں نہیں پھنسے جو جہاد کو حرام قرار دیتے ہیں۔ غیر مذہب کے لوگ۔ کرسچین، بدھ، سوشلسٹ، ان میں کیوں شامل ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ اسلام کے بنیادی اصولوں کو اپنائے

ہوئے ہیں۔ اگر ساری دنیا نے اسلام صحیح اسلامی معاشرہ قائم کرے تو کیا ساری دنیا اسلام کو نہ اپنا لے گی۔ مگر افسوس جس قوم نے مارکس جیسے قانون دان کو جھٹلا دیا۔ آج وہی قوم اپنے ہاتھ سے ہوئے متر مقابل کے قانون اپنانے کے لئے کوشاں ہے۔ مجھے اقبال سے معذرت کے ساتھ کچھ کہنا پڑتا ہے کہ:-

اسباب کچھ اور ہیں جن کو تو خود سمجھتے ہوئے بھی نہیں سمجھتا
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

۳- نوید الطاف

صدر گرامی قدر۔ معزز حاضرین!

مال و دولت کی اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بھی قاضی الحاجات کہلاتا ہے۔ جو لوگ مفلس و بے زر ہیں وہ اپنی کوئی ضرورت پوری نہیں کر سکتے۔ بلکہ ضروریاتِ زندگی کو ترستے رہتے ہیں۔ اسی طرح جو قومیں پس ماندہ اور غیر ترقی یافتہ ہیں۔ ان کے ایسا ہونے کی وجہ ان کی اقتصادی اور مالی حالت کی کمزوری گردانی جاتی ہے۔ ایسی قومیں دولت مند قوموں کی دستِ نگر اور ان کے رحم و کرم پر ہوتی ہیں۔ صرف اس لئے کہ ان کے پاس دولت و ثروت نہیں ہے۔ اس کے برعکس جن کے پاس دولت کی فراوانی ہے۔ وہ دن رات ترقی اور عروج کی منزلیں طے کرتی ہوئی کہاں سے کہاں پہنچتی جا رہی ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کچھ اسلامی ملک واقعی کمزور اور غریب ہیں ان میں اتنی پیداوار نہیں ہوتی کہ اپنی کفالت کر سکیں۔ لیکن عرب ممالک ہیں تو سرمایہ کی کمی نہیں۔ ان کے ہاں تو بے پایاں دولت ہے۔ پھر ان کی پریشان حالی اور پس ماندگی کا کیا سبب ہے۔ وہ ترقی یافتہ اقوام کے دوش بدوش چلنے کی اہلیت کیوں نہیں رکھتے۔ ان کی پستی و درماندگی کی وجہ بے زری تو ہو نہیں سکتی۔ کیونکہ ان کے ہاں تو دولت کے چشمے ابلتے ہیں۔ اس کا جواب حکیم الامت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں دیا ہے:-

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے۔ زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

آیئے اب معلوم کریں کہ علامہ صاحب کا اس شعر سے مفہوم کیا ہے۔ اور مسلمانانِ عالم اس قدر کمزور اور خستہ حال کیوں ہیں۔

مسلمانوں کا ضابطۂ زندگی اور دستور العمل قرآن کریم ہے۔ جب اہلِ عرب کی زندگی اس ضابطۂ حیات کے مطابق تھی اور اِس کے احکام کے مطابق عمل پیرا ہونا اپنا فریضۂ زندگی سمجھتے تھے تو اللہ اکبر کے نعرۂ تکبیر سے دنیا کا گوشہ گوشہ گونج اٹھا تھا۔ اور شمع توحید نے کرۂ ارض کے تاریک ترین گوشوں

کو بھی نورِ ہدایت سے منور کر دیا تھا۔ اسی قرآن کریم کی روشنی میں اگر مسلمانوں کی موجودہ پستی و تنزل حالی کا جائزہ لیا جائے تو ان کی زوال پذیری کے اسباب روزِ روشن کی طرح صاف صاف نظر آ جاتے ہیں اور ان کے سمجھنے یا معلوم کرنے میں قطعاً کوئی دقت یا مشکل نظر نہیں آتی ـــــ میں بطورِ نمونہ قرآن کریم کے چند احکام پیش کرتا ہوں۔

۱۔ قرآن کریم میں خدائے رحیم و علیم نے بڑے واشگاف الفاظ میں حکم فرمایا تھا کہ: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا ۖ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا (۳/۱۰۳)

"تمہارے لئے ضروری ہے کہ خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ یعنی قانونِ خداوندی سے وابستہ رہو۔ اور امتِ واحدہ میں فرقہ بندی سے انتشار پیدا نہ کرو۔ اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے تو اللہ نے ایک ایسا نظام عطا کیا جس سے تمہارے دل ایک دوسرے سے جڑ گئے اور تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔"

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کی تائید میں حجۃ الوداع کے موقع پر حاضرین کو اپنے خطاب سے نوازتے ہوئے فرمایا تھا کہ:۔

میں نے تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑی ہے جس کو اگر تم مضبوط پکڑو گے تو میرے بعد گمراہ نہ ہوگے۔ یاد رکھو وہ قرآن ہے۔

۲۔ إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ (۳۵/۲۸)

قوانینِ خداوندی کے سامنے وہی لوگ جھکتے ہیں جو ان قوانین کی عظمت جانتے ہیں۔ یہی لوگ علما کہلانے کے مستحق ہیں کہ یہی جان سکتے ہیں کہ خدا کا قانون کس قدر غلبہ کا مالک ہے اور اس کے مطابق چلنے والے کی کس طرح حفاظت کرتا ہے۔

حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا ارشاد ہے کہ "علم حاصل کرو خواہ اس کے حصول کے لئے تمہیں چین کا سفر کرنا پڑے۔" دوسری جگہ اس معلمِ اعلیٰؐ نے فرمایا: "جو شخص طالبِ علم کے لئے گھر سے نکلتا ہے اس کے ایک ایک قدم کے ساتھ دس دس نیکیاں شامل ہوتی ہیں۔"

۳۔ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ (۴۵/۱۳)

کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے اُس نے سب کو تمہارے لئے قانون کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔ اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

۴۔ وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ

اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِہِمْ لَا تَعْلَمُوْنَہُمْ اللّٰہُ یَعْلَمُہُمْ (۸/۶۰)

تم دشمن کے مقابلہ کے لئے ہر وقت تیار رہو۔ امکان بھر اتنی قوت پیدا کرو اور اپنی سرحدوں کو اس قدر مستحکم رکھو کہ اس کے ذریعہ ان لوگوں کو خوف زدہ رکھ سکو جو تمہاری ذات کے بھی دشمن ہیں اور نظامِ خداوندی کے بھی دشمن ہیں۔ اِن کے علاوہ اِن جیسے اور دشمنوں کو بھی جن کا ابھی تک تمہیں علم نہیں۔ اللہ کو اُن کا علم ہے۔

۵ - یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا ط
وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ج قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاہِہِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُہُمْ
اَکْبَرُ ط قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ o (۳/۱۱۸)

اے جماعتِ مومنین! تم اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا کسی کو اپنا رازداں نہ بنانا۔ یہ لوگ تمہاری تخریب میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔ اِن کی دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ تم ایسی جانکاہ مصیبتوں میں مبتلا ہو جاؤ جن سے تمہاری قوت ٹوٹ جائے۔ تمہارے خلاف بغض و عداوت کی بعض باتیں تو ان کی زبان پر بے اختیار آ جاتی ہیں۔ لیکن جو کچھ ان کے سینوں میں چھپا رہتا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔ ہم نے یہ باتیں اس لئے واضح طور پر بیان کر دی ہیں کہ تم عقل و ہوش سے کام لے کر ان کی طرف سے محتاط رہو۔

۶ - یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَہُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ م بَعْضُہُمْ اَوْلِیَآءُ
بَعْضٍ ط وَمَنْ یَّتَوَلَّہُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْہُمْ ط (۵/۵۱)

اے جماعتِ مومنین! تم یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست اور چارہ ساز نہ بنانا۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور چارہ ساز تو ہو سکتے ہیں۔ تمہارے دلی دوست کبھی نہیں ہو سکتے۔۔۔۔اس وضاحت کے بعد بھی تم میں سے جو شخص ان کو اپنا رفیق اور دوست بنائے گا، تو اُس کا شمار انہیں میں ہوگا۔

حضرات! قرآنِ کریم کی چند آیات جو میں نے بطورِ نمونہ پیش کی ہیں۔ ان پر غور کرنے سے یہ حقیقت اُبھر کر ہمارے سامنے آ جاتی ہے کہ:۔ ؎

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

اگر آج مسلمانانِ عالم من حیث القوم نکبت و زبوں حالی، ذلت و خواری اور بے لبسی و بے قدری کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ تو اس کی وجہ ایک اور صرف ایک ہے۔ وہ یہ کہ انہوں نے قرآن کا دامن چھوڑ دیا

ہے۔ جب قرآنِ عظیم کو تھامے ہوئے تھے زمانہ میں معزز تھے، مقتدر تھے۔ جب اس سے روگردانی کی، ذلیل و خوار ہو گئے ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

جب مسلمانوں نے قرآن کی طرف سے منہ موڑا، قرآن نے ان کی جانب سے منہ موڑ لیا۔ اتحاد و یک جہتی اور وحدت و یگانگت کی تمام برکات سے محروم ہو گئے۔ اور افتراق و انتشار اور فرقہ بندی و تفرقہ بازی کی لعنتوں میں گرفتار ہو گئے۔ قرآن نے جنہیں بھائی بھائی بنا دیا تھا۔ فرقہ بندی نے اُن کے درمیان حقارت و منافرت اور بغض و عناد پیدا کر کے ان کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔ اور ہر فرقہ کے پیشواؤں نے دوسروں کے متعلق نفرت پھیلانا، انہیں کافر قرار دینا اپنا مذہبی فریضہ اور جہادِ عظیم سمجھا۔ تبلیغِ اسلام سے غیر مسلموں کو مسلمان کیا بناتے الٹا مسلمانوں پر کفر کے فتوے لگا کر انہیں دائرۂ اسلام سے خارج کرنے پر سارا زور صرف کرتے رہے۔

سیاسی نقطۂ نگاہ سے دیکھئے۔ تو تمام دنیا کے مسلمان رشتۂ اسلام میں منسلک ہونے کی وجہ سے ایک قوم ہیں۔ لیکن تمام اسلامی ممالک اپنی اپنی ملکی حدود کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ قومیت اختیار کر بیٹھے ہیں۔ اس طرح ایک قوم مختلف قومیتوں میں بٹ گئی ہے۔ تیل پیدا کرنے والے عرب ممالک نے ایک تھوڑے سے عرصہ کے لئے تیل کی فروخت کے سلسلہ میں اتحاد و ہم آہنگی کا مظاہرہ کیا تھا تو دنیا کی عظیم اور طاقتور ترین سلطنتوں کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ لیکن ان عیّار مغربی اقوام نے اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے ذریعہ سے عربوں کے اس اتحاد کو زیادہ دیر قائم نہ رہنے دیا اور ان کے مفادات کو ایک دوسرے کے بالمقابل لا کر انہیں آپس میں ٹکرا دیا۔ اور عرب اپنی سادہ لوحی کی بنا پر ان کی چالوں میں پھنس کر باہم دست و گریباں ہو گئے۔ کس قدر ستم ظریفی ہے، اور کتنا بڑا المیہ ہے کہ ایک مسلمان ملک عیسائیوں کے ساتھ شامل ہو کر اپنے عرب بھائیوں کی تباہی و بربادی کا موجب بن رہا ہے۔

قرآنِ کریم نے علوم و فنون حاصل کرنے پر بڑا زور دیا ہے۔ قرآن کی رُو سے یہ حقیقت ہے کہ اس کے بندوں میں سے علماء وہی کہلانے کے مستحق ہیں جو علم و بصیرت کی بنا پر مشاہدہ کر لیتے ہیں کہ خدا کتنی بڑی قوتوں کا مالک ہے اور کس طرح اِس عظیم کارگاہ کائنات کو ہر قسم کی تخریب سے محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ اس طرح ان کے دلوں پر اس کی عظمت و ہیبت چھا جاتی ہے۔ قرآن نے علماء کا لفظ بعینہٖ ان معنوں میں استعمال کیا ہے جن معنوں میں ہمارے ہاں "سائنسدان" استعمال ہوتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کے نام نہاد مذہبی پیشوا انہیں تلقین کرتے رہتے ہیں کہ دینِ اسلام میں یا قرآنِ حکیم کے پیشِ نظر سائنسی علم کا کوئی مقام ہی نہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان قوم سائنس سے دُور ہٹ کر جہاد فی سبیل اللہ جیسے عظیم فریضہ کی ادائیگی کے قابل ہی نہیں رہی۔ علوم جدیدہ کا حصول تو

دُور کی بات ہے۔ ہمارے تو بڑے بڑے ذمہ دار افراد معلوماتِ عامہ سے بھی یوں بے بہرہ ہیں۔ مثال سُنیئے اور سر دُھنیئے :۔

ایک اسلامی ریاست کے وزیراعظم سے ایک امریکن نے اس کی ریاست کی مردم شماری پوچھی۔ اس نے جواب دیا، واللہ اعلم بالصواب۔ صاحبِ علم امریکن حیران ہوا کہ یہ اس قوم کا فرد ہے جس نے آسمان کے تارے گن ڈالے اور سمندر کی تہیں ناپ لیں۔

اس کے علاوہ تقدیر کے مسئلہ نے مسلمان قوم کو بے دست و پا بنانے میں سب سے زیادہ کام کیا ہے۔ ہمارے مذہبی پیشواؤں نے ہمارے دلوں میں یہ عقیدہ گھسیڑ دیا ہے کہ انسان کی تمام زندگی کا پروگرام پہلے بن جاتا ہے۔ اور کوئی فرد اس پروگرام سے ایک انچ اِدھر اُدھر سرک نہیں سکتا۔

سب کام اپنے کرنے تقدیر کے حوالے
نزدیک عارفوں کے تدبیر ہے تو یہ ہے

قوانینِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے والے وہ عالی ہمت اور بلند حوصلہ مسلمان تھے جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر پنہاں تھی۔ آج ان کے اخلاف عملی زندگی کو ترک کر کے اپنے آپ کو تقدیر کے حوالے کئے بیٹھے ہیں۔ اور قسمت کے لکھے پر قانع ہیں۔ حالانکہ اپنی تقدیر انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بنانی ہے۔ اس طرح کی شکست خوردگی اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا کہ :۔

ہے تابعِ تقدیر تو کافر ہے مسلماں
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیرِ الٰہی

قرآنِ کریم نے اعلان کر دیا تھا کہ تمام اشیاءِ فطرت انسان کے تابع تسخیر کر دی گئی ہیں۔ یہ اعلان کر کے انسان کو قوانینِ فطرت کا علم حاصل کرنے کی طرف کیسے خوبصورت انداز میں توجہ دلائی ہے۔ لیکن قرآن کی حامل قوم کے افراد نے اپنی قسمتوں کو ستاروں سے وابستہ کر رکھا ہے اور نجومیوں اور عاملوں کے سامنے اپنے ہاتھ پھیلائے اپنی قسمتیں دریافت کرتے پھرتے ہیں۔

بقول علامہ اقبالؒ مومن کا مقام اس سے بہت بلند ہے۔ فرماتے ہیں :۔

ترے مقام کو انجم شناس کیا جانے
کہ خاکِ زندہ ہے تو تابعِ ستارہ نہیں

غور کیجئے! کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے کس طرح مکمل طور پر غافل رہے ہیں کہ تم ہمیشہ اس طرح تیار رہو اور اتنی قوت پیدا کرو کہ دشمنانِ اسلام تم سے خوفزدہ رہیں۔ قائداعظمؒ نے ایک دفعہ بحری فوج کو خطاب فرمایا تو آپ نے دورانِ تقریر فرمایا:۔

اسلام کا مقصد امن قائم کرنا ہے اور یہ امن تبھی قائم ہو سکتا ہے جب ہمارا

مہیب سمندری بیڑا ہر چہار طرف وہ ہیبت پیدا رہا ہو کہ کسی بد نیت قوم
کو پاکستان کی طرف نگاہ تک اٹھانے کی جرأت نہ ہو سکے۔

یہ ہے قرآن کی اس آیت کا تقریباً لفظی ترجمہ جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی صریحاً خلاف ورزی کرتے ہوئے غیر مسلموں کو نہ صرف اپنا دوست بنا رکھا ہے بلکہ وہ ہمارے پورے راز داں ہیں۔ حالانکہ خدائے ذوالجلال کی زبردست تنبیہ موجود ہے کہ تم میں سے جو کوئی یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست بنائے گا وہ انہی میں سے ہوگا اور اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے ساتھ اس کا کوئی واسطہ نہ ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمانہ ارتقاء کی منازل طے کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ زمانے کے تقاضے نئی نئی کروٹیں بدلتے رہے۔ سالوں کے کام دنوں میں اور دنوں کے لمحوں میں سرانجام پانے لگے۔ نئی نئی ایجادات ہوئیں۔ نئے نئے انکشافات ہوئے لیکن مسلمان قوم ان تمام حالات سے بے خبر خوابِ خرگوش میں پڑی سوئی رہی۔ اس دوران میں دشمنانِ اسلام نے ایٹم بم بنا ڈالے۔ راکٹ اور میزائل پیدا کر لئے۔ جدید ترین ایٹمی ہتھیاروں سے لیس بحری اور ہوائی جنگی جہاز تیار کر کے اپنے اندر بے پناہ قوت پیدا کر لی۔ جبکہ مسلمان قدرت کی طرف سے کسی معجزہ کے رونما ہونے کے منتظر رہے۔ مسلمانوں کی ان کمزوریوں اور خامیوں سے فائدہ اٹھا کر اسرائیل بے خوف و خطر اسلام دشمن پالیسی میں دن بدن آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ عربوں کے ایک وسیع علاقہ پر زبردستی قابض ہے۔ مقدس مقامات اور کلام اللہ کی بے حرمتی اس نے اپنا مشغلہ بنا لیا ہے۔ دنیا کے تمام یہود و نصاریٰ اس کے پشت پناہ ہیں۔ اور اس کو ہر طرح کی مالی، فوجی اور افرادی امداد مہیا کر رہے ہیں۔ دوسری جانب مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ مجاہدین فلسطین کو مٹا ڈالنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ لبنان میں مسلمانوں کو کچلا جا رہا ہے۔ ایریٹیریا کے آزادی خواہوں پر بے حد ظلم روا رکھا جا رہا ہے۔ فلپائن کے حریت پسندوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔ اور مسلمانوں کی چالیس کے قریب سلطنتیں یہ سب کچھ ہوتا دیکھ رہی ہیں لیکن ان مظلوم مسلمانوں کو بچانے کے سلسلہ میں یا ان کی امداد کے بارہ میں بالکل بے بس ہیں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ اسلامی ممالک میں سے کوئی روس سے دوستی گانٹھ رہا ہے اور اسے اپنا دوست اور امدادی جانتا ہے۔ کسی نے اپنی امیدیں امریکہ سے وابستہ کر رکھی ہیں۔ قرآن حکیم کی رو سے نہ یہ مسلمانوں کا دوست ہو سکتا ہے نہ وہ خیر خواہ بن سکتا ہے۔ لیکن اسلامی ممالک انہیں ایسا سمجھتے اور ان سے امداد کی درخواستیں کرنے پر مجبور ہیں۔ وہ اپنے غیر مسلم دوستوں کو جدید ترین اسلحہ سے مسلح کرتے رہتے ہیں اور اسلامی ممالک کو ہر ایسا اسلحہ دینے سے انکار کر دیتے ہیں جس سے ان کی قوت میں کچھ اضافہ کا امکان ہو۔ مثال کے طور پر پاکستان نے فرانس سے ری پروسیسنگ پلانٹ خریدا ہے۔ اس پر تمام غیر مسلم طاقتوں (روس ۔ امریکہ ۔ برطانیہ وغیرہ) نے شور برپا کر دیا ہے۔ فرانس پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ یہ پلانٹ پاکستان کو فروخت نہ کیا جائے۔ پاکستان پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ تم یہ پلانٹ نہ خریدو۔ دیکھا یہ ہمارے دوست۔ دوستی کی آڑ میں کس طرح

مسلمانوں سے دشمنی کرتے ہیں۔

مسلمان جنہوں نے دشمن کو اپنی قوت سے مرعوب رکھنا تھا خود دشمن کی طاقت سے سہمے ہوئے ہیں۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ اپنی تھوڑی بہت طاقت جو ان کے پاس ہے اس کو بھی آپس میں لڑ جھگڑ کر ضائع کر رہے ہیں۔ اور نہیں سمجھتے کہ آنکھیں بند کر کے کس تباہی کے راستے پر بڑھے چلے جا رہے ہیں۔

کائنات اور کائناتی قوتوں کی طرف توجہ دلانے کے لئے اور تسخیرِ کائنات کے احکام سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ ڈاکٹر اقبالؒ جیسے ترجمانِ حقیقت کی آرزو تو یہ تھی کہ یہ کام مسلمانوں کے ہاتھوں انجام پائیں۔ اسی لئے فرمایا کرتے تھے کہ :ؔ

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

یہ حقیقت اب بے نقاب ہو گئی ہے کہ زوالِ بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں ہے بلکہ اس کے اسباب و علل وہ ہیں جو ہم نے اپنے بیان میں گنائے ہیں۔

بہرحال حالات کی ناسازگاری سے مسلمانوں کو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ان کی خوش قسمتی ہے کہ ان کے پاس قرآن کریم جیسا ضابطۂ حیات موجود ہے۔ جو یہ حیات بخش پیغام دے رہا ہے کہ ـــــ

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (۳/۱۳۹)

تم افسردہ خاطر مت ہو اور مت گھبراؤ آخر الامر تم ہی غالب ہو گے۔ بشرطیکہ
تم قوانینِ خداوندی کی صداقتوں پر یقین رکھو۔

ضرورت مومن بننے کی ہے۔ مومن کبھی کافر سے مغلوب نہیں رہ سکتا۔ یہ بھی ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمارے ہاں علامہ باباجی جیسے مفکرؒ و مفسرِ قرآن موجود ہیں جو اس حقیقت کے جاننے والے ہیں کہ :ؔ

منزل و مقصودِ قرآں دیگر است رسم و آئینِ مسلماں دیگر است

اس لئے وہ سوتے ہوئے مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر جگاتے اور قرآن کی طرف ان کی توجہ دلاتے چلے جا رہے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ :ؔ

گر تو می خواہی مسلماں زیستن نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

اب صورتِ حالات اس بات کی متقاضی ہے کہ اسلامی ملکوں کے سربراہ سر جوڑ کر بیٹھیں تاکہ باہمی اتحاد و تعاون اور اشتراک و یک جہتی کو مضبوط و مستحکم بنانے کے علاوہ اسرائیل کی تازہ ناپاک جسارتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی لائحہ عمل اختیار کر سکیں۔ یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ مسلمان قوم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لے۔ یہی ہمارے تمام دکھوں دردوں کا علاج، اور ہماری ساری مشکلات کا حل ہے۔ انشاء اللہ وہ وقت دور نہیں جب باطل کی قوتیں سرنگوں ہوں گی' اور اس دنیا میں قرآنی نظام جلوہ بار ہو گا ؔ

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

حضرات! میں نے آپ کے اندازہ سے بھی زیادہ وقت آپ کا لیا ہے اس کے لئے میں آپ حضرات سے معذرت خواہ ہوں۔ والسلام

۴۔ سلمیٰ لطیف

صدرِ عالی مقام۔ محترم باباجی و حاضرینِ کرام!

مقامِ صد شکر ہے کہ سالہا سال کی بے یقینی اور تذبذب کے بعد ہم بالآخر اس مقام پر آ ہی پہنچے جہاں حقائق کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔ آج ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بندۂ مومن کی زندگی زوال پذیر ہے۔ ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ وجۂ زوال بے زری نہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ ہمارا تنزل ہے تو پھر عروج کی وہ کونسی منزل ہے جس کے لئے ہمیں کسی نسخے کی تلاش ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس منزل کا سراغ مل ہی نہیں سکتا جب تک انسانی زندگی کا متعین مقصد ہماری نگاہوں کے سامنے نہ ہو۔ اِس ضمن میں، اس پلیٹ فارم سے اور باباجی کے درسِ قرآن سے جو راہنمائی مجھے ملی ہے وہ یہ ہے کہ انسان ایک ذات ہے، اور اِس زندگی میں اس کا مقصد ذاتِ خداوندی کو اپنی ذات میں علیٰ حدِ بشریت منعکس کرنا ہے۔ اور یہ کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ انسان اللہ پر ایمان لائے اور نیک اعمال کرے۔ ہر چند ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اور کچھ اتنے بُرے بھی نہیں، پھر بھی کوئی کمی یا کوتاہی ہے ضرور ــــ جس کی تلاش آج کے اس مذاکرے کی محرک ہے اور اس کمی یا کوتاہی کی نشاندہی کرنا ہی میرا موضوعِ سخن ہے۔

مجھے افسوس ہے، بزرگانِ من! کہ اپنا مافی الضمیر واضح کرنے کے لئے میں اس دفعہ بھی سائنس ہی کا سہارا لوں گی[1] کیونکہ سائنسی تجربات میں ہم مکافاتِ عمل نہ صرف محسوس کر سکتے ہیں، بلکہ اکثر حالات میں اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی سکتے ہیں۔ (اس جسارت کے لئے میں ان بزرگوں سے بہرحال معذرت چاہوں گی جو سائنس کو دین میں بدعت سمجھتے ہیں۔)

سائنسی آلات میں، بزرگانِ من! ٹیلی ویژن ایک ایسا آلہ ہے جو نہ صرف ہمارے اکثر گھروں میں موجود ہے بلکہ مقصدیت کے اعتبار سے یہ آلہ انسانی زندگی کے قریب تر ہے۔ کیونکہ مقصد

---

[1] اس عزیزہ نے سالِ گذشتہ ریڈیو کی مثال سے صفاتِ خداوندی سے ہم آہنگی کی حقیقت کو ایسے بلیغانہ انداز سے واضح کیا تھا کہ سامعین عش عش کر اُٹھے تھے۔ (طلوعِ اسلام)

دونوں کا کسی دوسری ذات کی تصویر کو اپنی ذات میں منعکس کرنا ہے۔

ٹیلی ویژن کا براہِ راست تعلق چونکہ تصویر کے ساتھ ہے اس لئے ضروری ہے کہ تصویر کی ساخت کے متعلق کچھ عرض کرتی چلوں۔

تصویر پر نگاہ ڈالئے تو رنگوں کے امتزاج کے سوا کوئی دوسری چیز نظر نہیں آتی۔ لیکن اگر آپ اخبار میں چھپی ہوئی کسی تصویر کو بنظرِ غائر دیکھیں تو یہ حقیقت آپ پر منکشف ہوگی کہ جسے آپ ایک مربوط تصویر سمجھتے ہیں وہ دراصل لاکھوں سیاہ و سفید نقطوں کا مجموعہ ہے، اور ان لاکھوں نقاط میں سے ہر نقطہ روشنی کی ایک خاص مقدار منعکس کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور پھر یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ اِن میں سے اگر ایک نقطہ بھی اپنی قدر تبدیل کر لے تو تصویر کی ہیئت بدل ہی نہیں جاتی، بگڑ بھی جاتی ہے۔ میں اسی ایک نقطے پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھ سکتی تھی لیکن مجھے احساس ہے کہ سامعین اپنے ٹیلی ویژن کے متعلق کچھ زیادہ جاننے کے لئے بے تاب ہیں اس لئے میں اپنے اصل موضوع کی طرف آتی ہوں۔

ٹیلی ویژن سٹیشن کا نظامِ کار، ایک تصویر کو، پانچ لاکھ بیس ہزار نقاط میں تقسیم کرتا ہے اور پھر ان نقاط سے منعکس شدہ روشنی کو الیکٹرو میگنیٹک ویوز میں تبدیل کر کے، اٹھہتر (۷۸) کروڑ نقاط فی منٹ کی رفتار سے فضا میں بکھیرتا چلا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ فضائے بسیط میں منتشر، روشنی کے ان اربوں، کروڑوں نقاط میں سے ہر نقطے کی اپنی جداگانہ حیثیت اور الگ قدر ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت مسخ نہیں کر سکتی۔

آپ کے ٹیلی ویژن سیٹ کا کام یہ ہے کہ ان منتشر نقاط کو فضا میں سے دبوچ کر اپنی سکرین پر اس طرح ترتیب دے جس طرح ایک ٹائپ رائٹر ایک ایک حرف ٹائپ کرتے ہوئے پہلے ایک سطر مرتب کرتا ہے اور پھر سطریں بناتے ہوئے صفحہ مکمل کرتا ہے۔ رفتار کے لحاظ سے آپ کا ٹیلی ویژن اس ٹائپ رائٹر کی مانند ہے جو ایک منٹ میں اٹھہتر (۷۸) کروڑ حروف پر مشتمل، تین سو ساڑھے بارہ سطروں والے تین ہزار صفحات ٹائپ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس پر طرّہ یہ کہ چھ سات گھنٹے روزانہ ڈیوٹی دینے والے اس ٹائپسٹ کو ایک غلطی کی بھی اجازت نہیں، اور آپ کو معلوم ہے؟ یہ ننھا سا ٹائپسٹ روزانہ کتنے حروف ٹائپ کرتا ہے؟ —— اوسطاً دو کھرب۔ اسی ارب، اسی کروڑ۔ یعنی کوئی تینتیس (۳۳) کروڑ سطریں —— دس لاکھ اسی ہزار صفحے۔ یعنی پانچ سو صفحوں والی دو ہزار ایک سو ساٹھ کتابیں۔ اور وہ بھی صرف چھ گھنٹوں میں۔ ہے کوئی اتنا تیز ٹائپسٹ آپ کی نظر میں؟

ملاحظہ فرمایا بزرگانِ من آپ نے کہ آپ کا ٹیلی ویژن سیٹ صرف ایک دن کی نشریات میں جو کچھ آپ کے حضور پیش کرتا ہے اُسے اگر کاغذ پر منتقل کیا جائے تو سو تصاویر کے دس ہزار آٹھ سو البم درکار ہوں گے یا یوں سمجھئے کہ چوبیس انچ سکرین پر جو تصاویر آپ ایک ٹرانسمشن میں

دیکھتے ہیں اگر انہیں ایک لائن میں پھیلا دیا جائے تو آپ کو ان جملہ تصاویر کو ایک نظر دیکھنے کیلئے ۲۵۵ میل کی مسافت طے کرنا ہوگی اور اگر آپ کبھی ان تصاویر کو نقطہ بنقطہ دیکھنے کی ٹھان بیٹھے تو آپ کو زمین کے گرد چار چکر لگانا ہوں گے کیونکہ ان نقاط کو ایک ہی لائن میں باہم جوڑ دینے سے ایک لاکھ چھ ہزار پانچ سو میل لمبی لکیر بن جائے گی۔

مجھے معلوم نہیں کہ ایسا کچھ کرنے کے لئے ایک مصوّر کو کتنی عمر درکار ہوگی لیکن میں یہ بتا سکتی ہوں کہ آپ کا ٹیلی ویژن سیٹ یہ کچھ صرف چھ گھنٹے میں کرتا ہے۔

یہ ہے بزرگانِ من آپ کا ٹیلی ویژن سیٹ اور اس کی کارکردگی۔ اور یہی کچھ یہ بہی تھی کہ ٹیلی ویژن سٹیشن سے آپ کے سیٹ کو حکم ملتا ہے کہ دیکھو، ہم، علاوہ آواز کے، روزانہ تقریباً تین کھرب تصویری نقاط نشر کریں گے۔ تمہیں ان نقاط کو اپنی سکرین پر ترتیب دے کر ہماری مشیئت (پروگرام) کے مطابق ناظرین کو یکے بعد دیگرے اوسطاً گیارہ لاکھ تصاویر روزانہ دکھانی ہونگی۔ تمہاری کارکردگی کی رفتار یوں ہوگی کہ تم دو لاکھ ساٹھ ہزار نقطوں سے سیکنڈ کے پچاسویں حصے میں تصویر کا ایک فریم مکمل کرو گے۔ تصویر کا یہ فریم تین سو ساڑھے بارہ لائنوں پر مشتمل ہو گا۔ ایک لائن بنانے کے بعد دوسری لائن بنانے کے لئے ہاتھ واپس کھینچو تو سکرین کی بتی گل کر دینا تاکہ تمہارا یہ عمل ناظرین کی طبع نازک پر گراں نہ گزرے۔ اور یاد رکھو ایسا نہ ہو کہ کوئی نقطہ سکرین پر ثبت ہونے سے رہ جائے یا کسی لائن میں کوئی نقطہ غلط جگہ پر چسپاں ہو جائے۔ تمہیں نقطہ بنقطہ ہمارے ساتھ ہم آہنگ رہنا ہوگا۔ ورنہ ہم تمہاری رسوائی کے ذمہ دار نہیں ہونگے۔

ٹیلی ویژن سیٹ یہ جلالی حکم سُن کر گڑگڑا اٹھا۔ عرض کیا حضور! میری اکیلی جان —— اجنبی ماحول —— شور و شغب کے طوفان —— اور اس پر اتنا بڑا پروگرام اور یہ تیز رفتاری —— بھلا بتایئے —— میں کس طرح ثابت قدم رہ سکوں گا؟ —— جواب ملا۔ مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں —— ہمارے یہاں سے تمہاری طرف رہنمائی آتی رہے گی۔ اگر تم نے اس راہنمائی کو قبول کیا اور اپنے عمل کو اس کے تابع رکھا تو تم ہر قسم کے خوف و ہراس سے محفوظ رہو گے۔ ٹیلی ویژن کی اصطلاح میں اس راہنمائی کو سینکرو نائزنگ پلز کہتے ہیں —— ان راہنما اشارات کی مشہود صورت نماز باجماعت کی سی ہے۔ جس میں امام ہر تبدیلیٔ حرکت پر بلند آواز میں تکبیر کہتا ہے اور اس تکبیر کی بدولت پوری کی پوری جماعت امام کے ساتھ ہم آہنگ رہتی ہے —— ٹیلی ویژن سیٹ کو یہ راہنمائی ایک پلز کی شکل میں ملتی ہے اور اس پلز کی پذیرائی کے لئے ایک خودکار سرکٹ ٹیلی ویژن سیٹ کے اندر مخصوص ہوتا ہے —— جونہی کوئی ٹیلی ویژن سیٹ اس راہنمائی سے روگردانی کرتا ہے اس کی سکرین پر منعکس ہونے والی تصویر کی کیفیت بے امام جماعت کی سی ہو جاتی ہے جس کا کوئی زاویہ درست نہیں ہوتا اور ہم شکایت کرتے ہیں کہ سکرین پر کسی قابلِ فہم تصویر کے بجائے آڑی ترچھی لکیریں نمودار ہو رہی ہیں۔ یہ وہی سیٹ

تو ہے جو کچھ ہی دیر پہلے آپ کا منظورِ نظر تھا ——— جس کی کارکردگی پر آپ کو ناز تھا ——— یہ ایک خود مختار آلہ ہے جو اپنی رفتار خود متعین کرتا ہے بیرونی مداخلت اور داخلی خلفشار سے محفوظ رہنے کا ایک خودکار نظام اس میں موجود ہے ——— بجلی اسے میسّر ہے ——— سگنل اس تک پہنچ رہا ہے۔ پھر اس کا عملِ پیہم کارآمد نتیجہ کیوں پیدا نہیں کر رہا؟

ملاحظہ فرمایا آپ نے بزرگانِ من کہ ٹیلی ویژن سٹیشن سے نشر کردہ راہنمائی سے سرمو انحراف نے اس سیٹ کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا؟ ——— کہاں یہ پورے گھر کا منظورِ نظر تھا اور کہاں اب ایک ٹکنیک گرم تار بنے ہیں اس کے جسم کو داغ رہا ہے ——— پوچھتے ہیں، جہنم میں کیا ہوگا؟ ———

یہ داستان تھی ایک متعین ضابطے کے تحت کام کرنے والے اس بے جان آلے کی جو اپنی تمام تر خود کفالت کے باوجود خارجی راہنمائی کے بغیر ایک سیکنڈ کے لئے بھی نہیں چل سکتا ——— لیکن ہم ہیں کہ گھر میں موجود وحیِ خداوندی کو یکسر فراموش کرکے پوچھتے پھر رہے ہیں ——— ہمارے زوال کا سبب کیا ہے؟ ——— روٹی، کپڑا اور مکان؟ ——— جی نہیں ——— الہامی راہنمائی سے فرار ——— مستقل اقدار سے انکار۔ زرپرستی اور مذہبی پیشوائیت پر انحصار ——— ضرور دیجئے روٹی، کپڑا اور مکان ——— اس لئے کہ مادی زندگی میں اس سے مفر نہیں ——— لیکن روٹی۔ کپڑا اور مکان، نہ مقصود بالذات ہے، نہ مرض کا علاج ——— اس سے صرف ٹیلی ویژن سیٹ کا ڈبہ تیار ہوتا ہے۔ انسانیت کی تصویر سامنے نہیں آسکتی۔ باقی رہا اس کا علاج۔ سو وہ اقبالؒ کے الفاظ ہیں: ؎

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی!
علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

شکریہ

ضرورتِ رشتہ

ایک موزوں قامت۔ خوش شکل دوشیزہ (عمر ۲۳ سال) کے لئے رشتہ مطلوب ہے۔ لڑکی کی تعلیمی قابلیت ——— B.Sc. و B.Ed. (کراچی) اور آئرلینڈ سے نیشنل سائنس کا مکمل کردہ کورس جو فوڈ انڈسٹری میں کام آتا ہے۔ آجکل عارضی طور پر لندن میں مقیم ہے۔ لہٰذا (U.K) میں مقیم لڑکا قابلِ ترجیح ہوگا۔ خط و کتابت بصیغۂ راز۔

(ایم۔ سی۔ معرفت ادارہ طلوعِ اسلام۔ گلبرگ ۲۔ لاہور)

محترم پرویز صاحب کا درسِ قرآن کریم	**لاہور** میں ہر اتوار ۹½ بجے صبح (فون ۸۰۸۰۰) ۲۵/بی گلبرگ ۲ (نزد پولیس اسٹیشن)
ملتان میں ہر جمعہ ۳½ بجے سہ پہر (بذریعہ ٹیپ) (فون ۷۲۰۷۱) دفتر شاہ سنز۔ بیرون پاک گیٹ	**لائلپور** میں ہر جمعہ ۸½ بجے شام (بذریعہ ٹیپ) (فون ۴۹۴۹ ۲) ۶۵ کوتوالی روڈ حیات سرجری کلینک
گجرات میں ہر جمعہ بعد نماز جمعہ نیز بروز اتوار ۴ بجے شام بمقام ۱۲/۱/۱ بی جھبر روڈ (بذریعہ ٹیپ)	**کراچی** میں ہر اتوار ۹½ بجے صبح (بذریعہ ٹیپ) دفتر بزم طلوع اسلام - دارالفقائد (فون ۶۱۰۴۶۸) ۲۰-۱/بی ناظم آباد ۳
جام پور میں ہر جمعہ بعد نماز عشاء (بذریعہ ٹیپ) (ڈیرہ غازیخاں) بلوچ جنرل اسٹور نزد اڈہ روڈ	**راولپنڈی** میں ہر جمعہ ۵ بجے شام (بذریعہ ٹیپ) جی - ۱۶۶ لیاقت روڈ
جلالپور جٹاں میں ہر جمعہ بعد نماز جمعہ (بذریعہ ٹیپ) (گجرات) دفتر بزم طلوع اسلام۔ بازار کلاں	**کوئٹہ** میں ہر جمعہ ۳½ بجے سہ پہر (بذریعہ ٹیپ) مکان نمبر ۱۹/۱۷-۴ عبدالستار روڈ (نزد گرین ہوٹل)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ
إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ
جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

O ye who believe! Fear God as He should be feared.
and die not except in a state of Islam. And hold fast.
all together, by the Rope which God stretches out
for you, and be not divided among yourselves.